ربیع الاوّل ۱۴۴۸ھ
اگست ۲۰۲۶ء

ماہنامہ میثاق لاہور

مسلسل اشاعت کے 60 سال

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- هَاذِمُ اللَّذَّات
- زوالِ اُمّتِ مسلمہ: اسباب، سبق اور نشأۃِ ثانیہ کا راستہ
- رسولِ اکرم ﷺ اور ماحول کا تحفظ
- مقدسات کی حرمت، تحفظ اور ریاست کی ذمہ داریاں
- تصورِ اقامتِ دین
- بدلتی عالمی صورتحال اور پاکستان کے پیچیدہ داخلی مسائل

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

کی شہرۂ آفاق پزیرائی اور مقبولیت

کے بعد اب پیش ہے:

فری ہوم ڈیلیوری کے ساتھ

مختصر

بیانُ القرآن

ترجمہ مع منتخب حواشی

- مضبوط جلد
- دیدہ زیب ٹائٹل
- 1248 صفحات

- ڈیلکس ایڈیشن: ~~4500~~ کے بجائے 2200 روپے
- سٹینڈرڈ ایڈیشن: ~~2500~~ کے بجائے 1500 روپے

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور

36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

maktaba@tanzeem.org　0301-1115348

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

”اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!“

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد	:	75
شمارہ	:	8
ربیع الاوّل		1448ھ
اگست		2026ء
فی شمارہ	:	60 روپے
سالانہ زرِتعاون	:	600 روپے

مُدیر مسئول
شجاع الدین شیخ

مُدیر اعزازی
حافظ عاکف سعید

مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

مجلسِ ادارت
- رضاء الحق ● ایوب بیگ مرزا
- خورشید انجم ● وسیم احمد

معاون مدیران
- محمد خلیق ● حافظ محمد زاہد

رابطہ برائے ادارتی امور (042)38939321
publications@tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیمِ اسلامی ”دارالاسلام“ ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-(042)35473375

ویب سائٹ www.tanzeem.org , www.tanzeemdigitallibrary.com

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور، K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور 54700

فون: 3-(042) 35869501 ، 0341-4941212

ای میل: maktaba@tanzeem.org

پبلشر: سکریٹری دین حق ٹرسٹ، لاہور مطبع: آر آر پرنٹرز، سگیاں روڈ، لاہور

مشمولات

عرضِ احوال ____ 5

زوالِ اُمّتِ مُسلمہ: اسباب، سبق اور نشأۃِ ثانیہ کا راستہ — رضاء الحق

درسِ قرآن ____ 9

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ (۱۰) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

منبر و محراب ____ 29

مقدّسات کی حرمت و تحفّظ اور ریاست کی ذمہ داریاں — شجاع الدین شیخ

تذکیر و موعظت ____ 39

ھَاذِمُ اللَّذَّات — اعجاز لطیف

ظروف و احوال ____ 49

بدلتی عالمی صورتِ حال
اور پاکستان کے پیچیدہ داخلی مسائل — ایوب بیگ مرزا

نقوشِ سیرت ____ 59

رسولِ اکرم ﷺ اور ماحول کا تحفّظ — پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی

حاصلِ مُطالعہ ____ 73

تصوّرِ اقامتِ دین — حافظ قاسم رضوان

حذر اے چیرہ دستاں..... ____ 85

قومِ لوط کے مدفن پر ”پرائڈ لینڈ“ — رانا عرفان علی

عالَمِ اسلام ____ 91

فلسطین کی حالتِ زار — علیزہ مکنون

”ادارہ“ کا مضمون نگاروں کی تمام آراء سے کامل اتفاق ضروری نہیں!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

زوالِ اُمّتِ مُسلمہ: اسباب‘ سبق اور نشاۃِ ثانیہ کا راستہ

ایک زمانہ تھا جب بغداد‘ دمشق‘ قرطبہ‘ قاہرہ‘ بخارا اور سمرقند علم‘ تہذیب‘ عدل اور تمدن کے مراکز تھے۔ مسلمان صرف ایک عسکری قوت ہی نہیں تھے بلکہ علم‘ طب‘ فلکیات‘ ریاضی‘ فلسفہ معیشت اور اخلاقی قیادت میں بھی دنیا کی رہنمائی کر رہے تھے۔ آج وہی اُمّت سیاسی طور پر منتشر‘ معاشی اعتبار سے دوسروں کی محتاج‘ عسکری لحاظ سے کمزور‘ علمی میدان میں پیچھے اور فکری اعتبار سے مغلوب دکھائی دیتی ہے۔ خصوصاً فلسطین کی سرزمین گزشتہ کئی دہائیوں سے ظلم‘ جبر اور انسانی المیے کی علامت بنی ہوئی ہے۔ اسی طرح کشمیر‘ برما‘ شام‘ یمن‘ سوڈان اور دیگر مسلم خطے بھی مختلف نوعیت کے بحرانوں سے گزر رہے ہیں۔ یہ تمام سانحات دراصل ایک بڑے مرض کی علامات ہیں۔ استعمار‘ صہیونیت اور عالمی استکباری و استحصالی قوتوں نے مسلم دنیا کو کمزور کرنے کے لیے طویل المدت منصوبہ بندی کے تحت کام کیا‘ لیکن بیرونی دشمن تب ہی کامیاب ہوتا ہے جب اندرونی دیواریں کمزور ہو چکی ہوں۔ اس لیے اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ بحران کا جائزہ لیتے وقت اپنی داخلی کمزوریوں کا بے لاگ محاسبہ بھی ناگزیر ہے۔

اُمّت کے احیاء کا راستہ تلاش کرنا ہو تو سب سے پہلے اس نمونے کی طرف رجوع کرنا ہوگا جس نے پہلی مرتبہ ایک منتشر معاشرے کو ایک مضبوط اُمّت میں تبدیل کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اپنی دعوت کا آغاز سیاسی اقتدار سے نہیں بلکہ انسانوں کے دل بدلنے سے کیا۔ تیرہ برس تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسے افراد کو ایک نظم کے تحت پرویا۔ یہی تربیت یافتہ جماعت جب مدینہ پہنچی تو اس نے تاریخِ انسانی کا ایسا انقلاب برپا کیا جس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔

بدقسمتی سے آج مسلمان قرآن مجید کو ثواب کی کتاب تو سمجھتے ہیں‘ مگر ہدایت کی کتاب کے طور پر اس سے اپنا تعلق کمزور کر چکے ہیں۔ ہماری اجتماعی زندگی بڑی حد تک قرآنی ہدایت سے

خالی دکھائی دیتی ہے۔ معیشت سود کے سہارے چل رہی ہے‘ سیاست مفاد اور طاقت کے گرد گھوم رہی ہے‘ عدالتیں انسانی خواہشات سے متاثر ہیں‘ تعلیم بڑی حد تک مغربی فکر کے سانچے میں ڈھل چکی ہے اور معیشت سرمایہ دارانہ اصولوں کی اسیر ہے۔ جب اجتماعی زندگی کے شعبے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے دور ہو جائیں تو محض انفرادی عبادات کسی قوم کو دنیا کی قیادت واپس نہیں دلا سکتیں۔ اُمّتِ مُسلمہ کے بحران کا مستقل حل صرف سیاسی تبدیلیوں یا معاشی منصوبوں میں نہیں‘ بلکہ اس فکری بنیاد کی تجدید (تجدد نہیں) میں پوشیدہ ہے جس پر پہلی مرتبہ اسلامی تہذیب استوار ہوئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ زوال کی علامات اس سے بہت پہلے نمایاں ہو چکی تھیں‘ لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں پیش آنے والے چند واقعات نے اِس زوال کو ایک اندوہناک مستقل سیاسی اور تہذیبی حقیقت میں تبدیل کر دیا۔ قرآن مجید نے اُمّتِ مُسلمہ کی بنیاد ایمان کے رشتے پر قائم کی ہے۔ سورۃ الحجرات (آیت ۱۰) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ﴾

’’بلاشبہ تمام اہلِ ایمان آپس میں بھائی ہیں۔‘‘

یہ اخوت صرف ایک روحانی تصور نہیں تھی بلکہ ایک عملی اور سیاسی حقیقت بھی تھی‘ جس کا سب سے نمایاں مظہر ادارۂ خلافت تھا۔ اس ادارے نے صدیوں تک عالمِ اسلام کی وحدت کو بڑی حد تک برقرار رکھا۔ مسلمان خواہ اندلس میں رہتا تھا یا ہندوستان میں‘ وسط ایشیا میں تھا یا شمالی افریقہ میں‘ وہ خود کو ایک ہی اُمّت کا حصّہ سمجھتا تھا۔

۱۹ویں صدی میں یورپی طاقتوں نے بخوبی سمجھ لیا تھا کہ جب تک مسلمانوں کی کوئی مرکزی وحدت باقی ہے‘ اُنہیں مکمل طور پر زیرِ نگیں بنانا آسان نہیں ہوگا۔ چنانچہ عسکری حملوں کے ساتھ ساتھ فکری‘ سیاسی اور معاشی محاذوں پر بھی منظم منصوبہ بندی کی گئی۔ خلافتِ عثمانیہ کو ’’یورپ کا مردِ بیمار‘‘ قرار دیا گیا‘ اُس کے داخلی اختلافات کو ہوا دی گئی‘ قوم پرستی کے رجحانات کو فروغ دیا گیا اور مختلف قومیتوں کو ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا گیا۔ پہلی عالمی جنگ کے فوراً بعد خلافتِ عثمانیہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا اور بالآخر ۱۹۲۴ء میں اس کا باقاعدہ خاتمہ کر دیا گیا۔ یہ مسلم دنیا کی اجتماعی وحدت پر ایسی کاری ضرب تھی جس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے بعد مسلم دنیا درجنوں قومی ریاستوں (نیشن اسٹیٹس) میں تقسیم ہو گئی۔ مسلمانوں کو یہ باور کرایا گیا کہ اب اُن کی پہلی شناخت اسلام نہیں بلکہ اُن کی قومیت

ہے۔ یوں رفتہ رفتہ اُمّت کا ہمہ گیر تصور قومی ریاست کے محدود تصور کے پس منظر میں چلا گیا۔ استعماری طاقتوں نے فکری اور تہذیبی میدان میں بھی اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ چنانچہ تعلیمی نظام تبدیل کیے گئے‘ قوانین مغربی طرز پر استوار کیے گئے‘ معیشت کو سودی نظام سے وابستہ کر دیا گیا اور نئی نسل کے ذہن میں یہ تصور راسخ کیا گیا کہ ترقی کا واحد راستہ مغربی تہذیب اور فکر کی تقلید ہے۔ نتیجتاً بیشتر مسلم ممالک سیاسی اعتبار سے تو ’’آزاد‘‘ ہو گئے‘ مگر ان کے آئین‘ عدالتی نظام‘ معاشی ڈھانچے‘ تعلیمی فلسفے اور خارجہ پالیسیاں بڑی حد تک مغربی فکر کے زیر اثر رہیں۔ یوں مسلم معاشرے اپنی تہذیبی شناخت کے بحران میں مبتلا ہوتے چلے گئے۔

مسلم دنیا کے آپس کے تنازعات کی بڑی وجہ قومی مفادات‘ سرحدی تنازعات‘ لسانی تعصّبات اور علاقائی رقابتیں ہیں۔ ایک مسلمان ملک دوسرے مسلمان ملک کے مقابل صف آرا ہو جاتا ہے‘ اور اس تقسیم کا سب سے زیادہ فائدہ وہی قوتیں اُٹھاتی ہیں جو ہمیشہ سے عالمِ اسلام کو منتشر دیکھنا چاہتی رہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کی عصبیت سے اسی لیے سختی سے منع فرمایا تھا۔ کوئی ایک مسئلہ اگر آج مسلم دنیا کی کمزوری‘ بے بسی اور انتشار کو پوری شدت کے ساتھ نمایاں کرتا ہے تو وہ فلسطین ہے۔ گزشتہ تقریباً آٹھ دہائیوں سے فلسطینی عوام مسلسل ظلم‘ محاصرے‘ بے دخلی اور قتل و غارت کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ صرف عسکری عدمِ توازن نہیں بلکہ اُمّت کا سیاسی انتشار‘ مشترکہ وژن کا فقدان اور اجتماعی ذِمہ داری کے احساس کی کمزوری بھی ہے۔ اگر اُمّت اپنے اصل تصور پر قائم ہوتی تو یقیناً صورتِ حال مختلف ہو سکتی تھی۔ اُمّت کی نشاۃِ ثانیہ کا پہلا زینہ قرآنِ مجید سے اپنے تعلق کی حقیقی تجدید ہے‘ جس کا مطلب صرف خوش الحانی سے تلاوت کرنا نہیں بلکہ قرآن کو زندگی کا رہنما‘ فیصل اور امام تسلیم کرنا ہے۔

یہ حقیقت ہمیشہ ہمارے پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ قرآن انسان اور معاشرے کی تعمیر کے لیے نازل ہوا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کا راز بھی یہی تھا کہ وہ قرآن کو صرف یاد نہیں کرتے تھے بلکہ اِسے اپنی زندگی میں نافذ کرتے تھے۔ اِسی عملی وابستگی نے ایک ایسی نسل تیار کی جس نے دنیا کی تاریخ کا رُخ بدل دیا۔ یہی فکری اور عملی تربیت آگے چل کر ایسے معاشرے کی بنیاد بنی جس میں عدل‘ دیانت‘ مساوات اور اللہ کی حاکمیت کو اجتماعی زندگی میں نافذ کیا گیا۔ اِس حقیقت کو سمجھے بغیر نہ خلافت کے تصور کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے اور نہ اُمّت کے احیاء کا راستہ

متعین کیا جا سکتا ہے۔ خلافت اسلام کا مقصود بالذات نہیں بلکہ اقامتِ دین کا مؤثر اجتماعی ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو انفرادی زندگی کے ساتھ اجتماعی سطح پر نافذ کرنا اسلام کا تقاضا ہے' اور اِس کے لیے ایسا سیاسی نظم ناگزیر ہے جو حاکمیتِ الٰہی کو تسلیم کرے اور شریعتِ اسلامی کو اپنی قانون سازی اور حکمرانی کی بنیاد بنائے۔ اِس اعتبار سے خلافت طاقت' توسیع اقتدار یا جغرافیائی غلبے کا نام نہیں بلکہ عدل' امانت' جواب دہی اور بندگیٔ رب کا نظام ہے۔ اسی تصور کی بہترین مثال خلافتِ راشدہ میں نظر آتی ہے۔ یہاں حکمران خود کو عوام کا آقا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ایک امانت دار سمجھتا ہے' جبکہ اُمّت کو بھی خیر خواہی' احتساب اور اصلاح کی ذِمّہ داری سونپی جاتی ہے۔

اُمّت کے زوال کا تمام تر بوجھ عموماً حکمرانوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ اگرچہ صالح اور دیانت دار قیادت کسی بھی معاشرے کے لیے ناگزیر ہے' لیکن قرآنِ مجید صرف حکمرانوں کو مخاطب نہیں کرتا بلکہ پوری اُمّتِ مُسلمہ کو اِس کی ذِمّہ داری یاد دلاتا ہے۔ ہر معاشرہ اپنی اجتماعی کیفیت کے مطابق قیادت پیدا کرتا ہے۔ جب عوام میں علم' دیانت' احساسِ ذِمّہ داری اور دینی شعور کمزور پڑ جائے تو صالح قیادت بھی نایاب ہو جاتی ہے۔

اِسی تناظر میں آج اُمّتِ مُسلمہ کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے' وہ ہمہ گیر فکری بیداری ہے۔ ایسی بیداری جو مسلمان کو اُس کی اصل شناخت یاد دلائے' قرآنِ مجید کو اُس کی زندگی کا رہنما بنائے' رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اجتماعی زندگی کا نمونہ قرار دے اور اُمّتِ واحدہ کے تصور کو دوبارہ زندہ کرے۔ جب فکر بدلتی ہے تو افراد بدلتے ہیں' افراد بدلتے ہیں تو معاشرے بدلتے ہیں' اور جب معاشرے بدلتے ہیں تو تاریخ کا دھارا بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ تاہم اِس کے لیے مسلسل' منظم اور صبر آزما جِدّوجُہد درکار ہوتی ہے۔ اگر اُمّتِ مُسلمہ اپنی نشأۃِ ثانیہ کی خواہاں ہے تو اُسے چند بنیادی ترجیحات پر سنجیدگی سے توجہ دینا ہوگی۔

سب سے پہلے ''رجوع الی القرآن'' کو انفرادی وظیفے کے بجائے ایک اجتماعی تحریک بنانا ہوگا۔ قرآن کو سمجھنا' اُس پر تدبر کرنا' اُس کی دعوت کو عام کرنا' زندگی کے ہر شعبے میں اُسے رہنما تسلیم کرنا اور اُس کے عطا کردہ نظام کو قائم و نافذ کرنا اُمّت کی اولین ترجیح ہونی چاہیے۔

دوسرے' تعلیم و تربیت کے موجودہ نظام کا ازسرِ نو جائزہ لینا ہوگا۔ (باقی صفحہ 98 پر)

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ (۱۰)

مدرّس: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

آیات ۳۰ تا ۳۴

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَ اسْتَكْبَرَ ٭۫ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۴﴾

آیت ۳۰ ﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾ ’’اور یاد کرو جب کہ کہا تھا تمہارے ربّ نے فرشتوں سے کہ مَیں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔ انہوں نے کہا: کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرّر کرنے والے ہیں جو اس میں فساد مچائے گا اور خون ریزی کرے گا؟ اور ہم آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس میں لگے ہوئے ہیں۔ فرمایا: مَیں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔‘‘

’’اِذْ‘‘ کا محلِ استعمال

’’اِذْ‘‘ (جب) کا کلمہ یہاں مصحف میں پہلی مرتبہ آرہا ہے۔ ’’جب‘‘ کا مفہوم ادا کرنے کے لیے عربی میں ’’اِذْ‘‘ اور ’’اِذَا‘‘ دو کلمات استعمال ہوتے ہیں۔ اگر ماضی سے متعلق کسی واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو تو کلمہ ’’اِذْ‘‘ آتا ہے اور مستقبل کے کسی معاملہ کی طرف اشارہ کرنا ہو تو ’’اِذَا‘‘ استعمال کیا جاتا ہے۔ سورۃ التکویر میں یہ کلمہ (اِذَا) ۱۲ مرتبہ آیا ہے:

﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ① وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ②﴾

’’جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔ اور جب ستارے ماند پڑ جائیں گے۔‘‘

قیامت کے واقعات جو رونما ہونے والے ہیں ان کے لیے ’’اِذَا‘‘ آتا ہے۔ کسی گزرے ہوئے واقعہ کی طرف توجہ دلانی ہو تو اس کے لیے ’’اِذْ‘‘ استعمال ہوتا ہے اور اس سے پہلے فعل امر ماضی ’’اُذْکُرْ‘‘ یا ’’اُذْکُرُوْا‘‘ محذوف (understood) مانا جاتا ہے۔ یعنی یاد کرو، دھیان کرو، توجہ کرو، تصور کرو۔

قرآن میں قِصّہ آدم و ابلیس کی تکرار

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ.....﴾ ’’اور یاد کرو جب کہ کہا تھا آپ کے رب نے فرشتوں سے‘‘..... ظاہر ہے ان کلمات کے اوّلین مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں جن پر یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں۔ باقی یہ کہ قرآن کا ہر قاری (پڑھنے والا) بھی اس کا مخاطب ہے۔

سورۃ البقرۃ کا یہ چوتھا رکوع فلسفہ وحکمتِ قرآنی کا ایک بہت اہم باب ہے۔ اس کا اکثر و بیشتر حصہ حضرت آدمؑ اور ابلیس کی سرگزشت پر مشتمل ہے۔ ترتیبِ مصحف میں تو یہ واقعہ پہلی مرتبہ آرہا ہے، لیکن ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے مکی قرآن میں یہ واقعہ اس سے پہلے چھ مرتبہ بیان ہو چکا ہے، اور اُس کی ایک بڑی عجیب اور دلچسپ ترتیب ہے۔ قرآن مجید کے وسط میں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف دونوں گویا آپس میں ملی ہوئی ہیں۔

قِصّہ آدم و ابلیس کا سورۂ بنی اسرائیل میں بھی تذکرہ ہے اور سورۃ الکہف میں بھی' اور عجیب بات یہ ہے کہ دونوں کے بالکل وسط میں ہے۔ دونوں سورتیں بارہ بارہ رکوعوں پر مشتمل ہیں اور دونوں کا ساتواں رکوع ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ﴾

''اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدمؑ کو تو اُن سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (نہیں کیا)۔''

سورۂ بنی اسرائیل سے پہلے ایک سورت (سورۃ النحل) چھوڑ دیجیے تو سورۃ الحجر آتی ہے۔ اس میں بڑی تفصیل کے ساتھ یہ قصہ آیا ہے۔ سورۃ الکہف سے آگے ایک سورت (سورۂ مریم) چھوڑ دیجیے تو اُس کے بعد سورۂ طٰہٰ ہے' اور اُس میں بھی یہ واقعہ بڑی تفصیل سے موجود ہے۔ اس طرح چار مرتبہ یہ قصہ آدمؑ و ابلیس قرآن کے تقریباً وسط میں ہے۔ اس کے علاوہ دو مقامات کی بھی بڑی symmetrical distribution ہے۔ شروع سے چلیں تو آٹھواں پارے میں سورۃ الاعراف کے دوسرے رکوع میں یہ واقعہ بڑے شرح و بسط کے ساتھ ملتا ہے۔ تیسویں پارے سے گنتی کرتے ہوئے واپس آئیں تو ۲۳واں پارہ گنتی میں آٹھواں پارہ بنے گا۔ یہاں سورہ صٓ میں پھر وضاحت کے ساتھ یہ واقعہ بیان ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں قصہ آدمؑ و ابلیس کی بڑی ہی موزوں اور متناسب (symmetrical) تقسیم ہے۔ تاہم یہ چھ کے چھ مقامات جو گنوائے گئے ہیں' یہ بالاتفاق مکی سورتیں ہیں۔ سورۃ البقرۃ واحد مدنی سورت ہے جس میں واقعہ آدمؑ و ابلیس کا خلاصہ دیا جا رہا ہے۔

زیرِ درس آیات کے پانچ عنوانات

زیرِ مطالعہ رکوع میں پانچ مضامین بیان ہوئے ہیں:

(۱) آدمؑ اور ذُرّیتِ آدمؑ کا مقام و مرتبہ

(۲) خلافتِ ارضی کی بنیاد و اساس

(۳) تمام فرشتوں کو آدمؑ کے سامنے سجدہ کا حکم

(۴) آدمؑ وحواؑ کا جنت میں آزمائشی مقام

(۵) جنت سے انخلاء اور ہبوطِ ارضی

سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کا اصل مقام و مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اُن کا مقام خلیفۃ اللہ فی الارض ہے‘ جو بہت بلند درجہ ہے۔ پھر یہ کہ اس خلافت کی بنیاد و اساس کیا ہے؟ یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی ذریت کو خلافت کے اہل سمجھا گیا ہے تو کس بنیاد پر؟ وہ بنیاد و اساس علم ہے ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّہَا﴾۔ یہ دو مضامین اس مقام پر خصوصی (exclusive) طور پر آئے ہیں۔ یہ فلسفہ اور حکمت کے اہم اور اساسی مضامین ہیں۔ باقی چھ مقامات جو گنوائے گئے ہیں‘ اُن میں یہ مضامین نہیں ملیں گے۔ البتہ ان میں سے تین مقامات پر ایک اضافی مضمون ملے گا جو یہاں نہیں ہے۔ اس طرح قرآن مجید میں یہ واقعہ اگر تکرار کے ساتھ آیا ہے تو یہ تکرارِ محض نہیں ہے بلکہ ہر جگہ کوئی نئی بات ہے‘ کوئی نئی شان ہے۔ پھر جس جس مقام پر یہ مضمون آیا ہے اس کے عمود اور مرکزی مضمون کے حوالے سے خصوصی ربط کو اس سیاق و سباق (context) میں رکھ کر دیکھیں تو حکمت اور دانش کے نئے نئے گوشے نمودار ہوں گے۔

پھر جو مضمون آتا ہے تمام فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کا حکم‘ یہ چھ مکی مقامات کے بعد ساتواں مدنی مقام ہے جو زیر مطالعہ ہے۔ اس کے بعد حضرت آدمؑ اور اماں حواؑ کے جنت میں آزمائشی مقام یا ایک طرح کی تربیت کے لیے قیام کا تذکرہ ہے۔ یہ اہتمام اس لیے کیا گیا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اُن کی تخلیق میں بھی کچھ خلا ہے‘ کمزوری ہے ﴿خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا﴿۲۸﴾﴾ (النساء)۔ اس خلا اور کمزوری سے ان کا ازلی دشمن ابلیس بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا‘ انہیں اس کا ایک تجربہ کرا دیا گیا۔ اس کا بھی ذکر سورۂ طٰہٰ اور سورۃ الاعراف میں شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے۔ یہاں سورۃ البقرہ میں بھی اسی تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہ مضامین سب سے زیادہ تفصیل اور نہایت اہتمام اور شان کے ساتھ سورۃ الاعراف میں آئے ہیں‘ جو متذکرہ بالا چھ مکی سورتوں میں ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے آخری دور کی ہے۔ چنانچہ زمانۂ نزول کے اعتبار

سے سورۃ البقرہ اور سورۃ الاعراف میں زیادہ فرق نہیں۔ پھر یہ کہ ابلیس نے کس طریقے سے حضرت آدمؑ کو دھوکا دیا‘ پھسلایا‘ اغوا کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدمؑ کو ہبوطِ ارضی کا حکم۔ گویا آخری چارٹر یہ دیا گیا کہ جا کر زمین پر چارج سنبھالو۔ جیسے کبھی برطانوی حکومت کسی وائسرائے کو ہندوستان بھیجتی تھی تو پہلے اس کی بریفنگ کے لیے تعلیم وتربیت اور یہاں کے حالات سے واقفیت کا کوئی اہتمام ہوتا ہوگا۔ پھر وہ ایک چارٹر لے کر یہاں آتا ہوگا کہ اُس کے حقوق کیا ہیں اور اُس کے اختیارات کیا ہیں! کون کون سے معاملات اُسے مرکزی حکومت یعنی تاجِ برطانیہ کو لازماً ریفر کرنے ہوں گے اور کن کن معاملات میں اسے اتھارٹی حاصل ہے اور وہ اپنی صوابدید کے مطابق فیصلے کر سکتا ہے۔ امید ہے کہ زیر مطالعہ پانچ آیات کے درس میں ان میں سے پہلے تین مضامین مکمل ہو جائیں گے‘ ان شاء اللہ!

اس رکوع کی دس آیات برابر برابر دو حصّوں میں منقسم ہیں۔ اس ضمن میں کچھ تمہیدی باتیں عرض کر رہا ہوں۔

مکلّف مخلوقات میں اوّلین: ملائکہ

اس رکوع میں تینوں مکلّف مخلوقات کا ذکر ہو رہا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کا سلسلہ انتہائی وسیع ہے۔ اَن گنت سیاروں اور ستاروں پر مشتمل گلیکسیز ہیں‘ جمادات ہیں‘ نباتات ہیں۔ پھر زمین پر بہت سی انواع کے حیوانات ہیں‘ جو مکلف نہیں ہیں۔ مکلّف سے مراد ہے جو responsible ہیں‘ جن پر کوئی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ جو شعورِ ذات اور اپنے وجود کا شعور بھی رکھتے ہیں۔ پھر یہ کہ وہ اوامر ونواہی کے مخاطب اور پابند بنائے گئے ہوں اور ان کا محاسبہ ہو۔ ایسی تین مخلوقات ہیں: ملائکہ‘ جنّات اور انسان۔ ان تینوں کے مراتب کو پہچانیے۔ ان میں بلند ترین مخلوق ملائکہ ہیں‘ اور یہاں سب سے پہلے انہی کا تذکرہ ہو رہا ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾۔ اس لفظ کو بھی سمجھ لیجیے۔ أَلَکَ یَلِکُ (ض) أَلْکًا و أُلُوکَۃً کے معنی ہیں: پیغام پہنچانا۔ أَلَکَنِی اِلَیہ: اُس نے مجھے فلاں شخص کی طرف پیغامبر یا ایلچی بنا کر بھیجا۔ اسی سے یہ لفظ مَلَائِک اور مَلَائِکَۃ

(فرشتے) بنا ہے‘ جس کا واحد مَلَک استعمال ہوتا ہے۔ اصل میں یہ لفظ مَلْئَک ہے‘ لیکن کثرتِ استعمال سے مَلَک بن گیا ہے۔ درمیان میں سے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا‘ اور ہمزہ پر جو زبر تھی وہ لام کو دے دی گئی۔ یعنی اس کا مادہ ’’ملک ‘‘ نہیں بلکہ ’’أَلک ‘‘ ہے۔ چنانچہ مَلَک وہ ہے جو کسی کی پیغام رسانی کا ذریعہ بنے‘ جو ایلچی کی صورت اختیار کرے۔ مَلائِکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے احکامات کو انسانوں اور تمام مخلوقات تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ ملئک کا جو ہمزہ حذف ہو گیا تھا وہ اس کی جمع میں ظاہر ہو گیا تو یہ لفظ ملائک بنا۔ ملائکۃ کا ’’ۃ‘‘ تانیث کا نہیں بلکہ تکثیر کا ہے‘ یعنی مزید کثرت کے لیے آیا ہے۔

ملائکہ کے بارے میں چند باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔ اگرچہ قرآن مجید میں ان کا مادّۂ تخلیق بیان نہیں کیا گیا‘ لیکن حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ حضرت عائشہ صِدّیقہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((خُلِقَتِ المَلائِكَةُ مِن نورٍ، و خُلِقَ الجانُّ مِن مارِجٍ مِن نارٍ، و خُلِقَ آدَمُ مِمّا وُصِفَ لكم)) [صحيح مسلم]

’’فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے‘ جنّوں کو آگ کے شعلے سے اور آدم علیہ السلام کو اس (مادے) سے پیدا کیا گیا ہے جس کو تمہارے لیے بیان کیا گیا ہے۔‘‘

ملائکہ اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیاں ہیں‘ لطیف ترین نورانی وجود کی حامل ہیں‘ لیکن صاحبِ تشخص ہستی ہیں۔ ایک دور میں یہ بھی کہا گیا کہ یہ فورسز آف دی نیچر کا نام ہے‘ ان کا کوئی تشخص نہیں ہے‘ کوئی personalised existance نہیں ہے۔ درحقیقت یہ صاحبِ تشخص ہیں لیکن بہت لطیف وجود رکھتے ہیں۔ لطیف شے مختلف شکلیں اختیار کر سکتی ہے لہٰذا فرشتے بھی مختلف صورتوں میں ظاہر ہو سکتے ہیں‘ جیسا کہ ثابت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بعض اوقات انسانی شکل میں آتے تھے۔ ’’حدیثِ جبریلؑ‘‘ مشہور ترین حدیث ہے جس کو ’’اُمّ السنہ‘‘ کہا گیا ہے‘ اس میں حضرت جبرائیلؑ کی انسانی شکل میں آمد ثابت ہے۔

مشرکانہ مذاہب میں بھی فرشتوں کا کوئی نہ کوئی تصور موجود ہے‘ کیونکہ وہ بھی درحقیقت توحید ہی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ اس لیے کہ نسلِ انسانی کا آغاز شرک سے

نہیں بلکہ توحید سے‘ اور گمراہی سے نہیں بلکہ ہدایت سے ہوا ہے۔ اس رکوع کے آخر میں الفاظ آئے ہیں: ﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ہُدًی ......﴾ ’’تو جب بھی آئے تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت ......‘‘ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان تھے اور وہ موحّدِ کامل‘ اللہ کے نبی تھے۔ مغربی فلسفہ میں جس انداز سے نسلِ انسانی کے تمدن وارتقاء کے مراحل بیان کیے جاتے ہیں‘ معلوم ہوتا ہے کہ آغاز میں نری جہالت ہی جہالت تھی‘ وحشت ہی وحشت تھی۔ مادّی اعتبار سے یہ تصور اپنی جگہ کسی حد تک صحیح ہوسکتا ہے‘ لیکن جہاں تک اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کا تعلق اور اُس کی توحید کا معاملہ ہے‘ یہ تو اوّل روز سے کامل تھا۔ بعد میں اس میں تنزل ہوا ہے کہ انسان مظاہر پرستی اور عناصر پرستی کی طرف مائل ہوگیا۔ چنانچہ انسان علم سے جہالت کی طرف گیا ہے‘ جہالت سے علم کی طرف نہیں آیا۔ مادّی علوم اور scientific knowledge کے اعتبار سے تو کہا جاسکتا ہے کہ انسان جہالت سے علم کی طرف آرہا ہے‘ لیکن اصلاً ہدایت کے اعتبار سے تو وہ صحیح علم سے تنزل کر کے شرک کی طرف گیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ انسان نے مظاہرِ فطرت کو پوجنا شروع کردیا۔

مزید برآں ملائکہ کے بارے میں یہ گمراہی پیدا ہوئی کہ انہیں صاحبِ اختیار ہستیاں سمجھ لیا گیا‘ لہٰذا ان کی بھی پوجا پاٹ شروع ہوگئی۔ عربوں کے ہاں تصور تھا کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں‘ جس کی تردید بایں الفاظ کی گئی: ﴿اَفَاَصۡفٰکُمۡ رَبُّکُمۡ بِالۡبَنِیۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنَاثًا ؕ﴾ (بنی اسرائیل:۴۰) ’’تو کیا تمہیں تو منتخب کرلیا ہے تمہارے ربّ نے بیٹوں کے ساتھ اور اپنے لیے بنالی ہیں فرشتوں میں سے بیٹیاں؟‘‘ ان کا خیال تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں گے تو بیڑا پار ہوجائے گا۔ ان کے ذریعے سے ہم اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرسکتے ہیں۔ جب کہ قرآن مجید کے مختلف مقامات اور احادیثِ نبویہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فرشتے بہت برگزیدہ ہستیاں ہیں‘ نوری الاصل ہونے کی بنا پر انہیں اللہ کا بہت قرب حاصل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست تلقی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے ترشحات کو قبول کرنے اور جذب کرنے کی ان میں صلاحیت رکھی گئی ہے۔ احکاماتِ خداوندی انہیں براہِ راست پہنچتے ہیں اور یہ آگے پہنچاتے

ہیں۔ البتہ صاحبِ اختیار اور صاحبِ ارادہ نہیں ہیں۔ مزید یہ کہ ان کا معصیت اور گناہ کی طرف کسی رجحان کا کوئی امکان نہیں: ﴿وَیَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ۞﴾ (التحریم) ”وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے۔“

ملائکہ میں معصیت کا امکان نہیں

اہلِ سُنّت کا تو اس پر اجماع ہے کہ فرشتوں میں معصیت کا امکان ہی نہیں‘ نافرمانی کی قدرت ہی نہیں۔ گویا ان سے صرف نیکی اور خیر ہی ممکن ہے‘ دوسرا راستہ ان کے لیے کھلا ہی نہیں۔ جب کہ معتزلہ کی رائے یہ ہے‘ اور ہمارے ہاں عقلی رجحانات رکھنے والے طبقہ کا اس سے اتفاق ہے‘ کہ ایسا نہیں ہے کہ ان میں معصیت کا امکان ہی نہیں‘ یا وہ معصیت کی قدرت ہی نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک فرشتے بھی صاحبِ ارادہ مخلوق ہیں‘ لیکن اس کائنات کے حقائق ان پر اس درجہ روشن ہیں کہ ان کے لیے عملاً معصیت ممکن نہیں۔ جیسا کہ انسان کے سامنے بھی اگر جنت اور دوزخ موجود ہوں‘ اور یہ حقائق جو ہم سے پردے میں ہیں یا جن سے ہم محجوب ہیں‘ یہ غیب کا پردہ درمیان میں نہ ہو تو کون اللہ کا حکم ماننے سے انکار کرے گا؟ کون معصیت کرے گا؟ چونکہ انہیں وہ قرب حاصل ہے اور حقائق ان کے سامنے موجود ہیں‘ لہٰذا وہ نافرمانی نہیں کرتے۔

یہ بالکل اسی کے ہم وزن بات ہو جائے گی کہ ہم اہلِ سُنّت کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر عدل واجب نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ عدل کرے گا‘ یہ علیحدہ بات ہے‘ لیکن اللہ تعالیٰ پر عدل واجب ماننا گویا اللہ تعالیٰ کے اختیار کو محدود سمجھنا ہے‘ جو اہلِ سُنّت تسلیم نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کسی نیک آدمی کو سزا دینا چاہے یا کسی بدترین بدکار کو معاف کرنا چاہے تو یہ اُس کا اختیارِ مطلق ہے۔ اس اعتبار سے اہلِ سُنّت کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر عدل واجب نہیں‘ جبکہ معتزلہ اور اہلِ تشیع کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر عدل واجب ہے۔ بالکل یہی فرق یہاں ہے کہ معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ فرشتے معصیت کر سکتے ہیں لیکن کرتے نہیں۔ دوسری طرف اہلِ سُنّت کا موقف یہی ہے کہ ان کے اندر معصیت کی قدرت ہی نہیں ہے۔ وہ خیرِ محض ہیں‘ ان میں وہ مادہ ہی سرے سے موجود نہیں ہے کہ جس کی بنا پر معصیت کا

صدور ہو جائے۔ البتہ اس پر اتفاق ہے کہ انہیں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ﴾ (مریم: ۶۴) ’’(اے نبی ﷺ!) ہم نازل نہیں ہو سکتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔‘‘ اُس کی اجازت‘ اُس کا حکم ہوگا تو نازل ہوں گے۔ ﴿لَّا يَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمۡ وَيَفۡعَلُوۡنَ مَا يُؤۡمَرُوۡنَ ۝۶﴾ (التحریم) ’’وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بھی حکم میں جو انہیں دیا جاتا ہے بلکہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔‘‘

ملائکہ میں حفظِ مراتب

ان میں درجات ہیں‘ حفظِ مراتب ہیں۔ سیّد الملائکہ‘ روح الامین اور روح القدس حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ آپؑ انبیاء و رُسل علیہم السلام تک اللہ تعالیٰ کے پیغام اور وحی پہنچاتے رہے ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام بارش برسانے اور رِزق کی تقسیم پر مامور ہیں۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام قیامت کے روز صور پھونکیں گے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام انسانوں کی روح قبض کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ کراماً کاتبین ہر انسان کے دائیں اور بائیں کاندھے پر اُس کے اچھے اور برے اعمال کا ریکارڈ رکھنے کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔ منکر اور نکیر موت کے بعد قبر میں انسان سے سوالات کرتے ہیں۔ کچھ فرشتے حاملینِ عرشِ الٰہی ہیں۔ باقی آسمان کے مختلف طبقات (جن کی حقیقت کو ابھی تک ہم نہیں سمجھتے) اور زمین میں اپنی اپنی ڈیوٹی ادا کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَ مَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَ يَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ، كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ)) [صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، ح: ۵۵۵]

’’رات اور دن میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں‘ اور فجر اور عصر کی نمازوں میں (ڈیوٹی پر آنے والوں اور رخصت پانے والوں کا) اجتماع ہوتا ہے۔ پھر

تمہارے پاس رہنے والے فرشتے جب اوپر چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے‘ حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ اپنے بندوں کے متعلق جانتا ہے‘ کہ میرے بندوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے جب انہیں چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس گئے تب بھی وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔‘‘

چنانچہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تکوینی حکومت کے احکامات کی تنفیذ کرنے والے ہیں۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کی سول سروس کے کارندے ہیں۔

ابلیس جِنّات میں سے تھا

دوسرا اس میں ابلیس کا ذکر آ رہا ہے۔ سورۃ الکہف میں جہاں یہ مضمون آیا ہے‘ وہاں ابلیس کے بارے میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے: ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ (آیت ۵۰) ’’وہ جنّات میں سے تھا‘ پس اُس نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی۔‘‘ وہ اللہ کی اطاعت وفرماں برداری سے نکل بھاگا۔ جِنّات کا مادّۂ تخلیق نار (آگ) ہے۔ یہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ آیا ہے‘ بلکہ بار بار تقابل آیا ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں فرمایا:

﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾﴾

’’اُس نے پیدا کیا انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹّی سے۔ اور جِنّات کو اُس نے پیدا کیا آگ کی لپٹ سے۔‘‘

انسانوں کی تخلیق قشرِ ارض (crust of the earth) یعنی مٹی سے ہوئی ہے۔ حیواناتِ ارضی میں انسان سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ جہاں تک جِنّات کا تعلق ہے تو وہ آگ کی لپٹ سے پیدا کیے گئے ہیں۔ شعلے کا ایک حصہ تو وہ ہے جو نظر آتا ہے اور ایک وہ ہے جو نظر نہیں آتا‘ اور وہاں حرارت کی شدت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ آگ کی لو پر مشتمل ہوتا ہے۔ تو ان کی پیدائش آگ کی لو سے ہوئی ہے۔ جِنّات میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی۔

قرآن حکیم میں خود جنّات کا قول نقل ہوا ہے: ﴿وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ﴾ (الجنّ:١١) ’’اور یہ کہ ہم میں نیک لوگ بھی ہیں اور کچھ اس سے مختلف قسم کے بھی ہیں۔‘‘ مادّۂ تخلیق کے اعتبار سے یہ انسانوں سے برتر اور ملائکہ سے کم تر ہیں‘ لیکن انہیں ملائکہ کے ساتھ اس اعتبار سے ایک قرب حاصل ہے کہ نار اور نور میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ لفظی اعتبار سے بھی ان کا مادّہ اور حروفِ اصلی ایک ہی ہیں۔ ’’نار‘‘ اور ’’نور‘‘ کے درمیان میں ’’ا‘‘ اور ’’و‘‘ حروفِ علّت ہیں جو ایک دوسرے کی جگہ پر آ جاتے ہیں اور بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ نار اور نور میں زیادہ فصل نہیں ہے۔ ان کا وجود چونکہ غیر مرئی (invisible) ہے اس لیے ان کو ’’جِنّ‘‘ کہا گیا ہے۔ ’’ج ن ن‘‘ مادّہ میں چھپنے اور چھپانے کا مفہوم ہے۔ باغ کو ’’جنّت‘‘ اس لیے کہتے ہیں کہ اُس کے اُوپر ہریاول کی وجہ سے زمین چھپ جاتی ہے‘ نظر نہیں آتی۔

چونکہ ان کا مادۂ تخلیق لطیف ہے لہٰذا یہ مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ انسانی صورت میں بھی آ سکتے ہیں‘ حیوانات کی شکلیں بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور پر یہ سانپوں کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

((إِنَّ بِالْمَدِينَةِ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ قَدْ أَسْلَمُوا، فَمَنْ رَأَى شَيْئًا مِنْ هٰذِهِ الْعَوَامِرِ فَلْيُؤْذِنْهُ ثَلَاثًا، فَإِنْ بَدَا لَهُ بَعْدُ فَلْيَقْتُلْهُ فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ))

[صحیح مسلم، کتاب السلام، ح:۵۸۴۱]

’’مدینہ میں جِنّوں کی کچھ نفری رہتی ہے جو مسلمان ہو گئے ہیں۔ پس جو شخص ان (پرانے) رہائشیوں میں سے کسی کو دیکھے تو تین بار اُسے خبردار کرے۔ اس کے بعد اگر وہ اس کے سامنے نمودار ہو تو اسے قتل کر دے‘ کیونکہ وہ شیطان (ایمان نہ لانے والا جِنّ) ہے۔‘‘

قرآن مجید میں ۶ مقامات پر اس طور سے ذکر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدمؑ کو سجدہ کریں۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (انکار کیا)۔ قرآن

حکیم کے الفاظ ﴿فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ﴾ سے بعض لوگوں کو کچھ اشتباہ ہو جاتا ہے کہ شاید ابلیس بھی فرشتوں میں سے تھا۔ چنانچہ بعض لوگ اس رائے کے حامل ہو بھی گئے ہیں‘ لیکن قرآن مجید میں تکرار (repetition) یونہی بلا سبب نہیں آتی۔ سورۃ الکھف میں اس کی وضاحت کر دی گئی کہ وہ جِنّات میں سے تھا۔ کوئی بھی فرشتہ اللہ کے کسی بھی حکم سے سرتابی نہیں کرتا۔ جِنّات میں سے ابلیس اتنا عابد‘ زاہد اور عالم تھا کہ اسے ملائکہ سے ایک قرب حاصل تھا اور یہ گویا ایک اعتبار سے ملائکہ ہی کے زمرے میں شامل ہو گیا تھا۔

واضح رہے کہ ملائکہ میں کوئی تذکیر و تانیث نہیں ہے‘ کوئی سلسلہ توالد و تناسل نہیں ہے‘ جبکہ جِنّات میں مذکر اور مؤنث یعنی نر اور مادہ ہیں۔ ان میں توالد و تناسل بھی ہے۔ ان پہلوؤں کے اعتبار سے یہ انسانوں سے قریب تر اور مشابہ ہیں۔ انسانوں کی طرح ان میں نیک بھی ہیں بد بھی ہیں‘ اچھے بھی ہیں برے بھی ہیں۔

قرآن مجید میں شیطان کو جو ’’ابلیس‘‘ کا نام دیا گیا ہے تو یہ بھی اس کا صفاتی نام ہے۔ اس کا اصل نام بعض احادیث کی رو سے ’’عزازیل‘‘ آیا ہے۔ یہ ایک جِنّ تھا اور جِنّات کی عمریں انسانوں کے مقابلے میں بہت طویل ہوتی ہیں۔ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار پر جب یہ راندۂ درگاہ ہوا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ مجھے قیامت تک کے لیے مہلت عطا فرما ﴿اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ (الاعراف) کہ آدمؑ کے بارے میں میرا جو گمان تھا اُسے سچا ثابت کر سکوں۔ اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مہلت عطا کر دی گئی۔ چنانچہ وہ جو اصل جِنّ ہے ابلیس‘ وہ زندہ ہے اور تا قیامت زندہ رہے گا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی کی یہ طوالت خصوصی گرانٹ کی ہے۔ تاہم مولانا اصلاحی صاحب کو اس ضمن میں کچھ مغالطہ ہوا ہے اور ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ وہی ابلیس ابھی تک زندہ ہو۔ ہمارے تمام مفسّرین کا اجماع ہے کہ وہ جو خاص شخصیت ہے‘ ابلیس یا عزازیل‘ وہ مستقل ہے‘ البتہ اُس کی ذُرّیت اور دیگر جِنّات کی ذُرّیات پر موت بھی واقع ہوتی ہے۔ ’’شیطان‘‘ کا لفظ جب آئے گا تو وہ عام ہو گا۔ شیاطین تو جِنّ و اِنس دونوں میں ہیں۔ جِنّات کی طرح انسانوں میں سے بھی جو نافرمان ہیں‘ جن میں سرکشی و

تمرد ہے اور وہ شر کے داعی بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں‘ لوگوں کو غلط بات کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بھی سب شیاطین ہیں۔

آدم کی تخلیق

اب تیسرے درجے میں ہم بات کرتے ہیں انسان یا آدم کی۔ اس ضمن میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی انسان کی تخلیق کا تذکرہ آیا ہے تو اکثر و بیشتر جگہوں پر آدم کا ذکر نہیں ہے بلکہ بشر یا انسان کے الفاظ آئے ہیں۔ اس اعتبار سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ مَیں عرض کروں گا۔ سورۃ الحجر کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانی اعتبار سے انسان کی تخلیق مؤخر ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾﴾ (الحجر)

’’اور یقیناً ہم نے بنایا ہے انسان کو سَنے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹّی سے۔
اور جِنّات کو ہم نے پیدا کیا تھا اس سے پہلے آگ کی لپٹ سے۔‘‘

معلوم ہوا کہ زمانی معاملہ یہ ہے کہ تین مکلّف مخلوقات میں سے اوّلین مخلوق ملائکہ تھے‘ جو نور سے پیدا کیے گئے۔ پھر جِنّات کو نار سے پیدا کیا گیا‘ اور اس کے بعد سب سے مؤخر مخلوق انسان ہے۔ انسان کا مادّۂ تخلیق ’’قشرِ ارض‘‘ ہے‘ یعنی زمین کی اوپر کی پپڑی یا clay‘ جسے مٹی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کے لیے مختلف جگہوں پر پانچ چھ مختلف تعبیرات استعمال کی گئی ہیں۔ کہیں لفظ ’’تُراب‘‘ آیا ہے‘ جو ریت کو نہیں بلکہ مٹی کو کہتے ہیں۔ ریت علیحدہ شے ہے جو ریگستانوں میں ہوتی ہے‘ جبکہ مٹی زرخیز جگہ پر ہوتی ہے۔ کہیں اسے ’’طِین‘‘ کہا گیا ہے‘ جو گارے کو کہتے ہیں۔ جب مٹی کو پانی سے گوندھ لیں تو وہ گارا بنتا ہے۔ کہیں اسے ’’طِینٍ لَّازِب‘‘ کہا ہے۔ اگر وہ گارا کہیں کچھ عرصہ پڑا رہے اور اس میں نامیاتی مواد (organic matter) بھی ڈال دیا جائے تو اس میں تخمیر (fermentation) ہوتی ہے اور لیس پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ دیہات میں آج بھی گھروں کو لیپنے پوتنے کے لیے مٹی گوندھی جاتی ہے تو اس میں توڑی ڈال دیتے

ہیں۔اس طرح اس کے اندر ایک طرح کا لیس پیدا ہو جاتا ہے جس سے لپائی کے بعد کریش نہیں آتی۔ یہ تخمیر والی مٹی ’’طِیۡنٍ لَّازِب‘‘ ہے‘ جس کے اندر لوچ ہے۔ سورۃ الصافات میں ارشاد ہوا: ﴿اِنَّا خَلَقۡنٰہُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ لَّازِبٍ﴿۱۱﴾﴾ ’’ان کو تو ہم نے پیدا کیا ہے ایک لیس دار گارے سے۔‘‘ سورۃ الحجر میں تین بار یہ الفاظ آئے: ﴿مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ﴿۲۶﴾﴾ یعنی وہ گارا جس کے اندر بدبو یا سڑاند پیدا ہو جائے اور پھر سوکھ کر کھنکھنانے لگے۔ جیسے دلدلی علاقوں میں مٹی کے اوپر جو پپڑی سی بن جاتی ہے وہ کھنکتی ہے۔ پھر سورۃ الرحمٰن میں الفاظ آئے: ﴿مِنۡ صَلۡصَالٍ کَالۡفَخَّارِ﴿۱۴﴾﴾ یعنی ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے۔ تو یہ ہے انسان کا مادّۂ تخلیق!

تخلیقِ آدم کے مراحل

ایک مسئلہ یہ کہ آدمِ خاکی کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے کس طور سے کی ہے؟ آیا اس گارے کا پتلا بنایا‘ جیسا کہ کوئی بچہ پتلا بناتا ہے اور پھر اُس سے کھیلتا ہے؟ یا جیسے کوئی فنکار یا مجسمہ تراش پتھر یا مٹی سے مجسمہ بنائے‘ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے گارے سے انسان کا پتلا بنایا اور پھر اُس میں براہ راست پھونکا تو اُس میں جان پڑ گئی! جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ چیز نہ تو ہرگز مستبعد ہے اور نہ ناممکن ہے۔ اس کی ایک مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات عطا کیے گئے‘ اُن میں سے ایک یہ معجزہ بھی ہے:

﴿اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۙ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ﴾

’’مَیں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں کہ مَیں تمہارے لیے مٹّی سے پرندے کی مانند صورت بناتا ہوں‘ پھر مَیں اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ بن جاتا ہے اُڑتا ہوا پرندہ اللہ کے حکم سے۔‘‘

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی ہو تو کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا ہو۔ چنانچہ اگر کسی کا یہ تصور بھی ہے تو یہ کوئی بعید از قیاس یا بعید از اِمکان نہیں ہے۔ پھر اس میں بھی دو امکانات ہیں۔ عام طور پر تصور یہ ہے کہ وہ مٹی زمین

سے آسمانوں پر لے جائی گئی۔ وہاں پر اُس کا مجسمہ بنا اور پھر روح پھونکی گئی تو اُس نے حضرت آدمؑ کی شکل اختیار کی۔ پھر اُنہیں زمین پر اتارا گیا۔ یہ بھی کوئی ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر لے گیا اور ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ پھر آئیں گے‘ صحیح احادیث کے اندر اس کی خبر موجود ہے‘ تو یہ بھی ناممکنات میں سے نہیں ہے۔

اس ضمن میں ایک تیسرا امکان بھی ہے‘ اور وہ بھی ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ وہ یہ کہ یہ سارا معاملہ زمین ہی پر ہوا ہو اور تخلیق کے تمام مراحل اُسی طور سے طے ہوئے ہوں جس طور سے حیاتیات کے علماء اور ماہرین بیان کرتے ہیں۔ evolution اور mutation دو الفاظ علیحدہ ہیں‘ تاہم ان کے مابین فرق سے قطع نظر ماہرینِ حیاتیات اس بات پر متفق ہیں کہ زمین پر حیوانات کے سلسلے نے تدریجاً ترقی پائی ہے۔ البتہ lower species سے higher species کیسے وجود میں آئیں‘ یہ وہ مسئلہ ہے جو ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔ اس کی جو تشریح‘ تاویل‘ توجیہہ اور تعبیر ڈارون نے کی تھی اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کے لیے کوئی ٹھوس سائنسی شواہد فراہم نہیں کیے جا سکے۔ یعنی یہ کہ حالات کے تغیر کے پیشِ نظر کوئی جاندار (organism) اپنی ساخت میں ماحول سے ہم آہنگی اور مطابقت (adaptation) پیدا کرتا ہے‘ اور نئے ماحول میں نئے اوصاف (acquired characters) اختیار کر لیتا ہے۔ حیوانات کے جسمانی اور عضویاتی نظام میں جو تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں‘ وہ تدریجاً بڑھتے بڑھتے اور نسلاً بعد نسلٍ وراثت میں منتقل ہوتے رہنے سے ایک بالکل نئی نوع (species) کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ تاہم اس نظریے کے تسلیم کیے جانے میں اہم ترین رکاوٹ یہ رہی ہے کہ حیوانات میں نئے اوصاف کا تناسل و توارث کے ذریعے اگلی نسل کو منتقل ہونے کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا جا سکا۔ یعنی سائنسی طور پر یہ بات ثابت نہیں ہو سکی۔ لہٰذا ڈارون کے فلسفے کو ذہن سے نکال کر قرآن کے الفاظ پر غور کیجیے۔

انسان کے مادۂ تخلیق کے بارے میں قرآن حکیم میں آنے والی مختلف اصطلاحات

(تُراب، طِین، طِینٍ لَّازِب ، صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُون، اور بالآخر صَلۡصَالٍ کَالۡفَخَّارِ) پر تدبر کیا جائے تو یہ اس پر دلالت کررہے ہیں کہ دلدلی علاقوں میں مٹی کے اندر نامیاتی (organic) صفات پیدا ہوئیں‘ پھر جہاں پانی اور مٹی کا مسلسل تعامل (interaction) تھا وہاں حیات کا آغاز یک خلوی جاندار (unicellular organism) سے ہوا۔ پھر اُس سے بڑھتے بڑھتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حیوانات کی مختلف انواع (species) وجود میں آئیں۔ ان حیوانات کے اندر تدریجاً ارتقا ہوا۔ پہلے حیات کی ادنیٰ صورتیں (lower forms) ظاہر ہوئیں‘ اور پھر اُنہی سے یا علیحدہ سے نسبتاً اعلیٰ صورتیں (higher forms) ظہور پذیر ہوئیں۔ مختلف انواع کے مراحلِ تخلیق کے درمیان جو بھی خلا تھا‘ اسے اللہ تعالیٰ کے حکمِ ’’کُنۡ‘‘ نے پُر کیا۔ ذاتِ خالق و باری و مصور نے جب چاہا‘ اپنے امرِ ’’کُنۡ‘‘ سے حیوانات کی کسی بھی نوع کے genes میں تبدیلی پیدا کردی‘ اور اس طرح ایک نئی نوع وجود میں آگئی۔ یہ سلسلہ ایک طویل مدّت تک جاری رہا‘ یہاں تک کہ ’’حیوانِ انسان‘‘ یعنی بیالوجی کی اصطلاح میں "Homo Sapiens" کے ظہور پر اختتام پذیر ہوگیا۔ واللہ اعلم!

قِصّۂ زمین برسرِزمین

مذکورہ بالا دونوں امکانات کو مدِّنظر رکھیں تو یہ بھی کوئی ناممکنات میں سے نہیں ہے‘ اور میرا اپنا ذاتی رجحان اسی کی طرف ہے کہ یہ سارا قصّۂ زمین برسرِ زمین ہی ہوا ہے‘ اور یہ قصّۂ زمین برسرِ زمین طے بھی ہوگا۔ میدانِ حشر بھی اسی زمین پر ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ الفجر میں آیا ہے: ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ وَالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾﴾ ’’اور آپ کا ربّ جلوہ فرما ہوگا جب کہ فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے۔‘‘ اللہ تعالیٰ کے اس نزول کی کیا کیفیت ہوگی‘ وہ ہم نہیں جانتے۔ یہ تمام چیزیں بائبل میں اس انداز سے آئی ہیں کہ وہ عارضی جنت جسے آزمائشی جنت بھی کہہ سکتے ہیں‘ اس زمین پر ہی تھی‘ جس میں حضرت آدمؑ رکھے گئے۔ اس سے عملی طور پر یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اس شیطان کو پہچان لو‘ یہ تمہارا ازلی اور ابدی دشمن ہے۔ اس اعتبار سے تورات کے مطابق وہ آزمائشی جنت اسی زمین پر کسی اونچی جگہ پر تھی‘

جہاں پر ہر قسم کا ساز و سامان اور زندگی کی ضروریات آسانی سے اور فراوانی کے ساتھ موجود تھیں۔ اُنہیں کچھ کام نہیں کرنا پڑتا تھا اور بڑی آسانی سے پھلوں کی شکل میں انہیں رزق مل رہا تھا۔ گویا زمین پر جنت کی ایک کیفیت تھی۔ قرآن مجید کا طرزِ بیان بھی ایسا نہیں ہے کہ یہ چیزیں منطبق نہ ہوتی ہوں۔ باقی ہمیں سمجھنا چاہیے کہ یہ چیزیں متشابہات میں سے ہیں‘ جن کے بارے میں تیقن اور تعین کے ساتھ کوئی بات کہنا ممکن نہیں۔

مَیں نے جو مخلوقات کے تین مراتب بیان کیے: ملائکہ‘ جِنّات اور پھر حیاتِ ارضی کی بلند ترین شکل انسان‘ اس ضمن میں چند معروضات پیش کر رہا ہوں۔ آج فلسفۂ سائنس کی رو سے متعدد نظریات ایک طرح سے تسلیم شدہ حقائق (established facts) کی حیثیت سے قبول کیے جا چکے ہیں۔ ان میں سے دو مراحل سائنس کی گرفت میں آ چکے ہیں۔ ایک تو ’’انفجارِ عظیم‘‘ (Big Bang) یعنی ایک بہت بڑا دھماکا (explosion) ہوا اور اُس کے نتیجے میں جو مادّہ پیدا ہوا اس کا درجہ حرارت اپنی انتہا پر تھا۔ اس مادے کے پھیلنے سے تمام ستارے اور سیارے وجود میں آئے‘ جن کا ٹمپریچر لاکھوں ڈگری سینٹی گریڈ تھا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ کائنات ٹھنڈی ہوتی رہی اور مختلف کُرے بھی ٹھنڈے ہوئے۔ ہماری زمین بھی شروع میں بہت گرم تھی‘ جو رفتہ رفتہ ٹھنڈی ہوئی ہے۔ جیسے جیسے یہ ٹھنڈی ہوئی تو اس کی بالائی سطح پر مٹّی کا غلاف وجود میں آیا۔ پھر اس سے بخارات نکلے‘ جنہیں قرآن نے ’’دخان‘‘ کہا ہے۔ اسی دخان کے اندر مختلف گیسوں کے تعامل سے پانی بنا اور پھر وہ زمین پر برسا۔ زمین پر پہلے غیر نامیاتی مرکبات اور بالآخر نامیاتی مرکبات وجود میں آئے۔

عالَمِ خلق اور عالَمِ امر

البتہ فرشتوں کی تخلیق کا معاملہ سائنس کے دائرے سے خارج ہے۔ ملائکہ اور ارواحِ انسانی عالَمِ امر کی تکوین ہے‘ اور ہماری فزیکل سائنس صرف عالَمِ خلق کو explore کر سکتی ہے‘ عالَمِ امر سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ انسان کا مرکب وجود ہے‘ جو روح اور جسد پر مشتمل ہے۔ ارواحِ انسانی بالکل ملائکہ کے ہم پلّہ ہیں۔ یہ نورانی ہیں‘ نوریُ الاصل ہیں۔ ارواحِ انسانی فرشتوں کے ساتھ ہی پیدا کر دی گئی تھیں‘ جنہیں پھر کسی

’’کولڈ سٹوریج‘‘ میں رکھ دیا گیا۔ اب جیسے جیسے اس عالَمِ خلق میں رحم مادر کے اندر کسی انسان کا ہیولیٰ تیار ہوتا ہے تو اس کی روح لا کر اس میں شامل کر دی جاتی ہے۔ روح کے اعتبار سے انسان جِنّات سے بہت بالا ہے لیکن محض اپنے مادّی جسد کے اعتبار سے وہ جِنّات سے کم تر ہے۔ اس لیے کہ جِنّات کی تخلیق نار سے ہوئی ہے جبکہ ہمارا یہ مادّی یا جسدی وجود مٹی سے بنا ہے۔ ہماری ارواح تو فرشتوں کی ہم پلہ بلکہ ایک اعتبار سے اُن سے بھی بالاتر ہیں۔ یہاں یہ نکتہ نوٹ کر لیجیے کہ ارواحِ انسانیہ میں سب سے بلند مرتبہ روحِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے اور آپؐ سے بالاتر کوئی ہستی نہیں۔ بالکل صحیح کہا ہے جس نے بھی کہا ع ’’بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!‘‘ اس لیے کہ ارواحِ انسانیہ ملائکہ سے بالاتر ہیں۔ سب کے سب فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے جھکایا جا رہا ہے تو ان کا بالاتر ہونا ثابت ہو گیا۔ نوری الاصل ہونے کے اعتبار سے فرشتے اور ارواحِ انسانیہ برابر ہیں۔ اس اعتبار سے تو مساوات ہے لیکن پھر فرقِ مراتب ہے۔ ملائکہ میں حضرت جبریل علیہ السلام سید الملائکہ ہیں۔ انسان اپنے مرتبہ میں ملائکہ سے بالاتر ہے‘ اور ان میں بالاترین اور سب سے برتر روحِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔

مَیں آج کل علامہ اقبال کی ایک کتاب پڑھ رہا ہوں: "Thoughts and Reflections of Iqbal"۔ اس میں ایک انگریز مفکّر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ہماری زبان (انگریزی) کی بڑی ہی تنگ دامانی ہے کہ creation کا صرف ایک ہی لفظ ہے اور ہم اس کی مزید درجہ بندی نہیں کر سکتے۔ واقعہ یہ ہے کہ عربی زبان اس اعتبار سے بہت جامع ہے کہ قرآن نے دو اصطلاحات استعمال کی ہیں: عالَمِ امر اور عالَمِ خلق۔ ان دونوں کے حوالے سے مَیں جو چیزیں بیان کرتا رہا ہوں‘ علامہ اقبال کی تحریر کے اندر بھی وہ بات مجھے ملی ہے کہ خلق اور امر دو بالکل جدا عالَم ہیں۔ یہ مادی دنیا (material world) عالَمِ خلق ہے‘ جبکہ عالَمِ امر اس سے ماوراء و بالاتر ہے‘ جو ہماری فزیکل سائنس کی ریسرچ اور دریافت کے دائرے میں آتا ہی نہیں۔ ہمارے پاس سائنسی علم کے جو بھی ذرائع ہیں‘ ان کی وہاں تک رسائی نہیں۔

قرآن مجید میں ارواحِ انسانیہ کی تخلیق کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ ملائکہ کی تخلیق کا بھی کہیں ذکر نہیں ہے۔ سورۃ الصافات میں مشرکین کے اس خیال کی نفی کی گئی کہ ملائکہ مؤنث ہیں تو وہاں لفظِ خلق آ گیا ہے:

﴿اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ۝﴾

''کیا واقعی ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا تھا اور وہ اس کے گواہ ہیں؟''

درحقیقت ارواحِ انسانیہ اور ملائکہ عالمِ امر کی شے ہیں' جبکہ ''نار'' عالمِ خلق کی شے ہے۔ ہمارا علم ابھی Big Bang تک پہنچا ہے۔ اس سے پہلے کیا تھا' اس کو انسانی علم نہ جان سکا ہے اور نہ جان سکے گا۔ جب عالَمِ خلق کا آغاز ہوا تھا' اس کی کیفیات کا تصور ہمارے لیے ممکن نہیں۔ ہمارے لیے ایک لاکھ ڈگری سینٹی گریڈ ٹمپریچر ناقابلِ تصور ہے' تو اُس وقت کا اصل ٹمپریچر کئی لاکھ ڈگری سینٹی گریڈ تھا' اور اُس آگ سے جِنّات کی تخلیق ہوئی ہے۔ اس اعتبار سے جِنّات کا ملائکہ سے قریب تر ہونا بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ''نور'' اور ''نار'' کا معاملہ قریب تر ہے۔ پھر وہ تخلیق میں ہم سے مقدم ہیں: ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝﴾ (الحجر)۔ قرآن مجید میں اس کی صراحت بھی آ گئی اور وہ ابلیس جس کے ساتھ یہ سارا ماجرا پیش آیا' جِنّات میں سے تھا۔

آخری بات یہ کہ اس رکوع کے ان تمام مضامین کو آپ ''متشابہات'' کے کھاتے میں درج کر لیں۔ اس واقعہ کا جو نتیجہ نکلتا ہے اسے تو ہم نے مضبوطی سے تھامنا ہے لیکن یہ کیسے ہوا' کب ہوا' اور جو حالات و واقعات پیش آئے وہ ہمارے تصور سے ماوراء ہیں۔ ظاہر ہے یہ استعاراتی انداز ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول بھی ایسا نہیں ہے کہ جیسے مَیں آپ سے بات کر رہا ہوں یا آپ ایک دوسرے سے کوئی بات کرتے ہیں۔ اللہ کے کلام کی کیا شان ہو گی: ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ ....﴾۔ اللہ نے کہا' کیسے کہا؟ قرآن مجید میں بعض جگہوں پر یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کلام فرماتے ہیں تو فرشتوں پر اس قدر دہشت چھا جاتی ہے کہ بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں۔ پھر جب ان کے دلوں سے دہشت کی کیفیت دور کر دی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں: ﴿مَاذَا قَالَ

رَبُّکُمْ﴾ کہ تمہارے ربّ نے کیا فرمایا؟ ﴿قَالُوا الْحَقَّ﴾ (سبا:۲۳) وہ کہتے کہ جو فرمایا حق فرمایا! چنانچہ ایسا ہرگز نہ سمجھیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا گیا تو جیسے کوئی دربار لگا ہوا ہے اور سامنے حضرت آدم علیہ السلام تشریف فرما ہیں اور فرشتے سب کے سب ان کے آگے جھک گئے ہیں۔ اپنے ذہن میں اس انداز کا کوئی خاکہ‘ کوئی تصویر‘ کوئی نقشہ نہ بنالیں‘ جیسے ہمارے تجربے اور مشاہدے کے انسانی واقعات ہوتے ہیں۔ یہ سب استعاراتی کلام ہے۔ یہ واقعتاً ہوا ہے‘ لیکن کیسے ہوا ہے‘ اس کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اس کا محکم حصہ اس سے نکلنے والا نتیجہ ہے۔ پہلے حصے کے دو نتیجے ہیں: (۱) حضرت آدم علیہ السلام کا مقام یعنی خلیفۃ اللہ فی الارض مقرر کیا جانا (۲) اس خلافت کی اصل بنیاد علم الاسماء ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو دے دیا گیا۔

(جاری ہے) ❀❀❀

اسلام اور اُمتِ مسلمہ کا مستقبل کیا ہوگا؟ کیا کرۂ ارضی ایک بار پھر نغمۂ توحید سے معمور ہو سکے گا؟
کیا موجودہ حالات اور مستقبل کے حوالے سے ہم پر کوئی ذِمہ داری بھی عائد ہوتی ہے؟
ان سوالات کے مفصل جواب پر مشتمل محترم ڈاکٹر صاحبؒ کے فکر انگیز مضامین کا مجموعہ

سابقہ اور موجودہ
مُسلمان اُمتوں کا ماضی، حال اور مستقبل
اور مسلمانانِ پاکستان کی خصوصی ذِمہ داری

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت خاص 450 روپے، اشاعت عام 300 روپے

مکتبہ خُدّامُ القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، 36 کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 03-35869501(042)
maktaba@tanzeem.org 0301-1115348

مقدّسات کی حرمت و تحفّظ
اور ریاست کی ذمہ داریاں

شجاع الدین شیخ ‘ امیر تنظیم اسلامی

جامع القرآن‘ قرآن اکیڈمی لاہور میں ۳ جولائی ۲۰۲۶ء کا خطابِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ اور تلاوتِ آیات کے بعد!

آج کی گفتگو میں مقدسات کے احترام کے ضمن میں جو گستاخیاں مستقلاً پاکستانی میڈیا پر ہو رہی ہیں‘ اس کے حوالے سے توجہ دلانا مقصود ہے۔ قرآن حکیم کے احترام‘ امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ‘ انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احترام کے حوالے سے کچھ باتوں کی یاد دہانی کرائی جائے گی۔

دوسری بات فلسطین کے حوالے سے کہ اس وقت عالمی سطح پر امریکہ اور ایران کا جو معاملہ بنا‘ جس کے پس پردہ بہرحال صہیونی قوتیں ہیں‘ اس کے ذیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ فلسطین کے مسئلے کو بالکل بھلا دیا گیا ہے۔ امریکہ اور ایران کی جنگ کے رکوانے کے حوالے سے کسی درجے میں مفاہمت اور ثالثی کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو اعزاز دیا ہے۔ اس کی ہم تحسین کرتے ہیں‘ البتہ پورے عالم کی سطح پر جہاں یہ کوششیں اور محنتیں ہوئیں وہاں اس سے بڑھ کر حق یہ ہے کہ اپنے ملک کو سدھارنے کی کوشش بھی کی جائے۔ ملک میں مفاہمت کا معاملہ ہو‘ امن ہو‘ انتشار ختم ہو۔ اس کی طرف بھی توجہ دلانا مقصود ہے۔

مقدسات کے احترام کے حوالے سے قرآن کریم ہمیں یوں سمجھاتا ہے:

﴿وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾﴾ (الحج)

’’اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا تو یقیناً یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے۔‘‘

شعائر شعیرہ کی جمع ہے‘ یعنی وہ نشانی یا علامت (symbol) جس سے کچھ یاد دہانی ہو۔

’’شعائر اللہ‘‘ سے مراد وہ مقدسات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ وہ مساجد ہیں‘ بیت اللہ شریف ہے اور مقدس مقامات ہیں۔ اسی طرح مناسکِ حج کے مقامات ہیں۔ قرآن حکیم کے نسخے ہیں‘ صفا اور مروہ ہے۔ یہ سب نشانیاں شعائر اللہ میں سے ہیں اور ان کا احترام ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ﴾ (الاحزاب:۶)

’’یقیناً نبی (ﷺ) کا حق مؤمنوں پر خود اُن کی جانوں سے بھی زیادہ ہے۔‘‘

نبی اکرم ﷺ اہلِ ایمان کے نزدیک ان کی جانوں سے بڑھ کر عزیز اور مقدم ہیں۔ اس کے کئی مفاہیم ہیں۔ ہمیں اپنی جان سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے محبت ہونی چاہیے۔ ان کی حرمت کا معاملہ ہو تو اس کے لیے بندۂ مسلم جان تک پیش کرنے کے لیے تیار رہے۔ ایک گہرا مفہوم یہ بھی ہے کہ ہماری جانوں پر ہم سے بڑھ کر اللہ کے رسول ﷺ کا اختیار ہے۔ وہ جو چاہیں‘ ہمیں حکم دیں۔ ع ’’بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر‘‘ اللہ کے بعد سب سے بڑی ہستی امام الانبیاء ﷺ کی ہے۔ یہ فضیلت حضور ﷺ کو سب سے بڑھ کر حاصل ہے۔ قرآن حکیم میں رسولوں کے درمیان فضیلت کا ذکر ہمیں ملتا ہے۔ تیسرے پارے کے آغاز میں فرمایا:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ﴾ (البقرۃ:۲۵۳)

’’ان رسولوںؑ میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کسی کو ’’خلیل اللہ‘‘ کسی کو ’’کلیم اللہ‘‘ اور کسی کو ’’روح اللہ‘‘ قرار دیتا ہے۔ فضیلت تو رسولوں کے درمیان ثابت ہے‘ البتہ تفریق ثابت نہیں ہے۔ سورۃ البقرۃ کے آخر میں ارشاد ہے:

﴿لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ﴾ (البقرۃ:۲۸۵)

’’(یہ کہتے ہیں کہ) ہم اللہ کے رسولوں میں کسی کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔‘‘

ماننے کے اعتبار سے سب پر ایمان لازم ہے‘ خواہ ان کے نام معلوم بھی نہ ہوں۔ معروف روایت ہے کہ سوا لاکھ انبیاء و رسل علیہم السلام اللہ تعالیٰ نے بھیجے۔ قرآن حکیم میں ۲۶ کا ذکر آتا ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں ایک علمی بحث ہے البتہ ان کے نام سمیت ۲۶ انبیاء و رسل کے نام قرآن مجید میں آتے ہیں۔ بعض کے نام ہمیں احادیث میں اور بعض کے نام اسرائیلی روایات میں مل جاتے ہیں۔ اکثر کے نام بھی نہیں معلوم‘ لیکن ان سب پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے۔ ایمان لانے کے اعتبار سے سب پر ایمان

لانا لازم اور احترام کے اعتبار سے سب کا احترام لازم ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد مقدس ترین ہستیاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ اہلِ سُنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کے بعد مقدس ترین ہستیاں صحابہ کرامؓ کی ہیں۔ ایک فرق جو ہمارے ہاں کیا جاتا ہے یا کر دیا جاتا ہے' وہ اہلِ بیت اور صحابہ کرامؓ کا ہے۔ مجموعی اعتبار سے سب صحابہ کرامؓ ہیں۔ قرآن حکیم میں سورۂ ہود میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں ان کی زوجہ محترمہ کے لیے اہلِ بیت کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی طرح سورۃ الاحزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے اہلِ بیت کے الفاظ آتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن' حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے لیے بھی اہلِ بیت کے الفاظ آتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان تو ہمارے اہلِ بیت میں شامل ہیں۔ یہ ہے وسیع تر تصور کہ اہلِ بیت کا بھی ذکر ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی شامل' حضرت علی' حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم بھی شامل اور اس ایک روایت کے مطابق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی شامل۔ یہ مجموعہ پورا ہمارے سامنے رہے۔

ہمارے ہاں یہ جو اہلِ سُنّت اور اہلِ تشیع کے درمیان اختلافات کو اچھال کر اہلِ بیت کو ایک طرف کر دیا جاتا ہے اور صحابہ کو دوسری طرف' یہ تصور اہلِ سُنّت والجماعت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ سب کے سب صحابہ کرامؓ ہیں۔ جن کو ہم اہلِ بیت کہتے ہیں' ان کے اور صحابہ کرامؓ کے درمیان رشتوں کا ذکر بھی آنا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ داماد ہیں کس کے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ''اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔'' حضرت عمر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما مشاورت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شامل رکھا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جب محاصرہ ہوا' ۵۰ دن ناکا بندی ہوئی' مظلومانہ شہادت کا معاملہ ہوا تو پہرہ دینے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو وہاں پر مقرر فرمایا۔ حضرت عمرؓ کا دور تھا' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: ''ابا جان! آپ نے حسن اور حسین کا زیادہ وظیفہ کیوں مقرر کیا؟'' تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ''کیا حسن اور حسین کے باپ جیسا باپ کسی کا ہے' ان کی ماں جیسی ماں کسی کی ہے' ان کے نانا جیسے نانا کسی کے ہیں؟'' رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

دراصل ہمارے ہاں تفریق کر دی جاتی ہے' معاذ اللہ' اور پھر نفرتوں کا ایک پہاڑ ہے جو ایک طبقے کی حرکتوں کی وجہ سے ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ مقدسات میں قرآن کی بات بھی آئے گی'

امام الانبیاء صاحبِ قرآن ﷺ کی بات بھی آئے گی‘ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی بات آئے گی۔ مقدسات میں شخصیات کے اعتبار سے صحابہ کرام بھی شامل ہیں اور اہلِ بیت بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ ہے مقدسات کے اعتبار سے ہمارا مجموعی تصور جو سامنے رہنا چاہیے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ صحابہ کی عظمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (التوبۃ:۱۰۰)

’’اور پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے‘ اور وہ جنہوں نے اُن کی پیروی کی نیکوکاری کے ساتھ‘ اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔‘‘

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صحابہ کرامؓ بالخصوص مہاجرین و انصار کے گروہوں کا ذکر فرما کر ان کو اپنی رضامندی کی سند عطا فرماتا ہے۔ ہمارے ہاں اگرچہ تاریخی حوالے سے بہت باتیں آتی ہیں‘ لیکن تاریخ کا رتبہ و درجہ بعد میں آئے گا۔ اصل فرقان ہے قرآن حکیم اور صاحبِ قرآن ﷺ کی تعلیم۔ مجموعی بات یہ ہے کہ ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سرٹیفکیٹ دیتا ہے۔ ان صحابہ کے ایمان کو معیار قرار دیتا ہے۔ پہلے پارے کے آخر میں ذکر آتا ہے:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ﴾ (البقرۃ:۱۳۷)

’’پھر (اے مسلمانو!) اگر وہ (یہود و نصاریٰ) بھی اُسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تب وہ ہدایت پر ہوں گے۔‘‘

یہاں ’’تم‘‘ جمع کا صیغہ ہے۔ اُس دور میں جب قرآن نازل ہو رہا تھا‘ اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کے صحابہ ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (الحجرات:۷)

’’لیکن (اے نبی ﷺ کے ساتھیو!) اللہ نے تمہارے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں کے اندر کھبا دیا ہے‘‘

اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے دلوں میں جما دیا ہے‘ مزین کر دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی عظمت کا ذکر قرآن پاک میں جابجا آتا ہے۔ جمعہ کے خطبات میں ہم اللہ کے رسول ﷺ کے الفاظ سنتے ہیں:

اللَّهَ اللَّهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي

’’اللہ سے ڈرنا‘ اللہ سے ڈرنا میرے صحابہ کے بارے میں۔ میرے بعد ان کو تنقید کا نشانہ نہ بنانا (انگلیاں نہ اٹھانا‘ الزام نہ لگانا‘ تنقیص نہ کرنا‘ گستاخی نہ کرنا۔)‘‘

((فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ))

[سنن الترمذی:۳۸۶۲]

’’جو میرے صحابہ سے محبت کرتا ہے تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے‘ اور جو ان سے بغض رکھتا ہے (دشمنی رکھتا ہے‘ نفرت کرتا ہے‘ معاذ اللہ!) تو مجھ سے بغض کی وجہ سے (مجھ سے نفرت اور دشمنی کی وجہ سے) ان سے بغض رکھتا ہے۔‘‘

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کے معاملے کو اپنی ذات سے جوڑا۔ فرمایا کہ ان سے کوئی محبت کرتا ہے تو میری محبت کی وجہ سے محبت کرتا ہے اور ان سے کوئی بغض رکھتا ہے‘ عناد رکھتا ہے‘ تو مجھ سے بغض اور عناد کی وجہ سے۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث ہیں۔ یہ میں نے تذکیر کے طور پر چند آیات قرآنیہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ آپ کے سامنے رکھیں۔

یہ بات یاد رہے کہ معصومیت صرف انبیاء کرام ؑ کے لیے ہے۔ خطاؤں سے پاک ہونا‘ گناہوں سے پاک ہونا انبیاء ؑ کا خاصہ ہے۔ صحابہ کرام ؓ کے بارے میں ان کی اجتہادی خطاؤں کا ذکر ملتا ہے‘ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ﴾ (آلِ عمران:۱۵۲) اللہ تم سے درگزر فرما چکا‘ تم کو معاف فرما چکا۔ اب کوئی بد باطن ہی ہوگا جس کے دل میں خبث اور گندگی بھری ہوئی ہوگی جو صحابہ کرام ؓ کے خلاف زبان دراز کرے گا۔ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ ان کی اجتہادی خطاؤں کا بھی ذکر فرماتا ہے تو ان کی معافی کا اعلان فرماتا ہے‘ چاہے وہ اُحد کے بارے میں ہو‘ تبوک کے معاملے میں ہو یا دیگر مواقع پر۔ اللہ ان کو قرآن مجید میں بار بار ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ﴾ (البینة:۸) فرماتا ہے۔

یہ سوشل میڈیا کا دور ہے‘ ڈیجیٹل عہد ہے۔ پہلے کبھی کونے کھدرے میں کوئی معاملہ ہوتا تھا تو کسی کے علم میں نہ آتا تھا۔ اب تو بد بخت اور ظالم ان گستاخیوں کو اَپ لوڈ کرتے ہیں جن کو دیکھ کر خون کھولتا ہے۔ قرآن پاک کے نسخوں کے بارے میں ہم نے یہاں بھی پہلے ذکر کیا‘ سوشل میڈیا پر بھی ذکر کیا ہے‘ پریس ریلیز میں بھی ذکر کیا ہے‘ دردِ دل رکھنے والے دیگر حضرات نے بھی اس کا ذکر کیا ہے‘ علماء نے بھی ذکر کیا ہے‘ جو لوگ سوشل میڈیا پر فعال ہیں ان لوگوں نے بھی ذکر کیا ہے۔ حکمرانوں سے ہمارا ایک تقاضا کیا ہے؟ اب وہ باتیں زبان پر لاتے ہوئے بھی جھجک

آتی ہے کہ قرآن حکیم کے مقدس اوراق اور نسخوں کے اوپر معاذ اللہ‘ ثم معاذ اللہ‘ ناپاک قسم کے قطرے بہائے گئے‘ جو اسی ناپاکی کی حالت میں ابھی تک ایف آئی اے اور دیگر ریاستی اداروں کی تحویل میں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک ضابطے کی کارروائی مکمل نہ ہو‘ تحقیقات کے ثبوت رکھنے ہوتے ہیں۔ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ ان کو غسل دیا جائے اور احترام کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ اگر ضابطے کا کوئی مسئلہ ہے کہ ثبوت ضائع نہیں کر سکتے تو اس کا کیا حل ہوگا؟ اس کو بھی بعض درد دل رکھنے والے لوگوں نے تجویز کیا ہے۔ ہم نے اس کو پہلے بھی بیان کیا ہے‘ سوشل میڈیا پر بھی پیش کیا ہے‘ ذمہ داران تک بھی پہنچایا ہے‘ علماء تک بھی پہنچایا ہے‘ آج پھر مجھے وہ کہنا پڑ رہا ہے۔ قیصر احمد راجہ صاحب اور کچھ حضرات کی سفارشات ہم نے علماء تک بھی پہنچائیں‘ ذمہ داران تک بھی پہنچائیں۔ میں پڑھ کر آپ کو سنا دیتا ہوں۔

(۱) ان تمام نسخوں کا فوری طور پر ڈی این اے ٹیسٹ مکمل کیا جائے تاکہ قانونی ثبوت محفوظ ہو جائیں۔ جب بھی ضابطے کی کارروائی آگے بڑھے گی تو ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ پیش کر دی جائے۔

(۲) ان رپورٹس اور دستاویزی ثبوتوں کو محفوظ کرنے کے بعد ایک بااختیار ریاستی عہدے دار کی نگرانی میں ان نسخوں کو اس غلاظت سے پاک کر کے غسل دے کر شرعی طریقے سے تدفین کی جائے۔

(۳) اگر کوئی قانونی رکاوٹ درپیش ہو تو اس مقصد کے لیے فوری طور پر از خود نوٹس (Suo Moto Action)‘ قانون سازی یا صدارتی آرڈیننس کے ذریعے طریقہ کار وضع کیا جائے۔ یہ سب ممکن ہے۔ ہمارے ہاں سوموٹو ایکشن بہت لیے گئے۔ قانون سازی کے حوالے سے پچھلے دورِ حکومت کے دوران ایک سانس میں ۳۴ قانون بنا ڈالے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی حرمت کے لیے ایک قانون بنانا ہماری نیشنل اسمبلی اور سینیٹ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔

ع ''حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے!'' اس قدر بے غیرتی کی بات ہے۔ اگر میں کھل کر کہوں تو ہمارے ریاستی ذمہ داروں کے مسخ شدہ خاکے (caricatures) بن جائیں اور ان کا نام لے کر میمز بنائی جائیں تو یہ بندوں کا سافٹ ویئر بھی اپڈیٹ کر دیتے ہیں‘ انہیں اٹھا کے بھی لے جاتے ہیں‘ مار بھی دیتے ہیں یا مروا بھی دیتے ہیں۔ اللہ کے کلام کی حرمت کے لیے کیا

ہمارا ایمان ہمیں بیدار نہیں کر رہا ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گے؟ اس میں کون سی امریکہ کی رضامندی کا مسئلہ ہے؟ آئی ایم ایف‘ ورلڈ بینک یا یو این او کی منظوری درکار ہے؟ صہیونیوں کو ناراض نہ کرنے کا معاملہ ہے؟ یہ چیز ہمارے اربابِ اختیار کے ہاتھ میں ہے۔ سوموٹو ایکشن‘ کوئی قانون سازی کا معاملہ یا پھر صدارتی آرڈیننس بھی جاری کیا جا سکتا ہے۔ صدر صاحب کے پاس بڑا ٹائم ہے۔ بڑے آرڈیننس جاری ہوتے رہتے ہیں‘ ہم سب کو پتہ ہے۔ اللہ کی کتاب کی حرمت کے حوالے سے کیا ایک آرڈیننس جاری نہیں ہو سکتا؟

دوسری بات‘ جیو نیوز والوں نے جو کچھ کیا وہ سب کو پتہ چل گیا۔ کچھ اور چیزیں بھی سامنے آئی ہیں۔ اے آر وائی ڈیجیٹل بھی بہت کچھ چلاتا رہا ہے۔ ماضی میں ’’دی میسج‘‘ جب چلی تھی تو کیا کچھ اس میں دکھادیا گیا۔ صحابہ کو بھی represent کر دیا گیا۔ زنا کرنے والوں نے صحابہ کرام کے رول ادا کیے۔ یہ چیزیں دماغ کے اندر چسپاں ہو جاتی ہیں۔ ہمیں حساس ہونا چاہیے کہ انبیاء و رسل علیہم السلام چاہے امام الانبیاء خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہوں یا کوئی اور نبی بھی ہوں‘ کسے باشد‘ احترام میں سب برابر ہیں۔ وہ ان کا ہائیڈ پارک ہوگا جہاں پر جا کر وہ‘ معاذ اللہ‘ Jesus Christ کو بھی برا بھلا کہتے ہیں۔ نہ جانے کیا کچھ کرتے ہیں۔ پیغمبروں کا ادب اور احترام ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ وہ جو علامہ اقبال نے کہا ہے: ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو!

ایسے میں میرے اور آپ کے پاس بچے گا کیا؟ اللہ کے ہاں تو نجات کے لیے شرطِ اول ایمان ہے۔ اس کے اوپر ہماری آواز بلند ہونی چاہیے۔ ابھی پندرہ دن کے لیے لائسنس معطل ہوا‘ لیکن یوٹیوب پر وہ دھڑلے کے ساتھ چل رہا ہے۔ اس وقت بتایا گیا کہ پیمرا نے اسلامی نظریاتی کونسل سے رائے مانگی ہے کہ بتائیے پندرہ دن کے لیے نشریات معطل کرنا کافی ہے یا اس سے آگے بھی کچھ کرنا چاہیے؟

اتحاد تنظیماتِ مدارس کا ایک بڑا فورم ہے‘ جو دینی مدارس کے پانچ وفاق دیوبندی‘ بریلوی‘ اہل الحدیث‘ جماعت اسلامی اور اہلِ تشیع کی ایک سپریم کونسل ہے۔ ہم بھی تنظیم اسلامی کے فورم سے دینی و مذہبی معاملات کے حوالے سے کوئی رہنمائی لینے یا توجہ دلانے کے لیے

اسلامی نظریاتی کونسل کو بھی لکھتے ہیں‘ ان کو بھی لکھتے ہیں۔ میری گزارش یہ ہے کہ حکومت اسلامی نظریاتی کونسل سے بھی رائے لے لیکن بہرحال وہ ایک ریاستی ادارہ ہے جس کی اپنی ایک capacity ہے‘ اس کے ساتھ اتحادِ تنظیمات مدارس سے بھی رہنمائی لے بلکہ تمام وفاقوں کی طرف سے رہنمائی آنی چاہیے تاکہ once for all یہ سارا معاملہ طے کیا جائے۔

۲۰۱۲ء میں عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے حضرات نے بھی ایک پریس ریلیز جاری کیا تھا جس میں انہوں نے تفصیل بتائی۔ ۲۰۱۲ء میں لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ درج ہوا کہ پیمرا‘ پی ٹی اے اور دیگر ریاستی اداروں کو پابند کیا جائے کہ سیٹلائٹ چینل‘ پرنٹ میڈیا‘ الیکٹرانک میڈیا‘ سوشل میڈیا پر کسی بھی پیغمبر علیہ السلام کے تعلق سے کسی قسم کا بھی کوئی خاکہ‘ بصری قسم کی کوئی شبیہ یا تصویر‘ کسی قسم کا کوئی مواد نشر نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ یہ ہوتا رہا ہے۔ لاہور ہائی کورٹ کی ہدایات بھی موجود ہیں‘ کچھ ضابطے کی کارروائیاں ماضی میں بھی ہوئیں لیکن اس حوالے سے پوری ریاست کی سطح پر پیمرا‘ پی ٹی اے اور دیگر متعلقہ اداروں کو اپنی ذمہ داری ادا کرنی چاہیے تاکہ یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے۔ یہ محض کوئی سیاسی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کے حوالے سے یہ clarity رہنی چاہیے۔ اس میں سزاؤں کا بھی کوئی mechanism ہونا چاہیے‘ اس لیے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ جب تک انہیں نشانِ عبرت نہیں بنائیں گے‘ یہ سلسلے چلتے رہیں گے۔

اب اس سے اگلی بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے۔ مقدسات کے ذیل میں بھی ضابطے موجود ہیں۔ ماضی میں ۱۹۹۶ء میں ملی یکجہتی کونسل بھی قائم کی گئی تھی۔ اس کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ شیعہ سُنّی فسادات کو روکا جائے۔ اس سطح پر بھی ضابطہ اخلاق موجود ہے۔ ریاستی سطح پر بھی ضابطہ اخلاق موجود ہے۔ پاکستان کے حکام بالا نے بھی ضابطہ اخلاق شائع کیے ہیں‘ لیکن ضابطہ اخلاق عام طور پر ماہ محرم سے چند دن پہلے آتا ہے۔ ہمیں بھی ایک جگہ بلایا گیا۔ ہم نے کہا کہ یہ ضابطہ اخلاق صرف ماہ محرم کے لیے ہے جبکہ اصل مسئلہ تو پورے سال سے متعلق ہے۔ ہم تو سب کے تقدس پر یقین رکھتے ہیں‘ احترام کرتے ہیں۔ کون سا مذہب ہوگا جو یہ کہتا ہو کہ کسی کی مقدس شخصیات کو گالی دی جائے! اگر آپ کسی شخصیت کی تعریف نہیں کر سکتے‘ اس کی فضیلت بیان نہیں کر سکتے تو کوئی بات نہیں۔ آپ گالیاں کیوں دیتے ہو؟ الزام تراشیاں کیوں کرتے ہو؟ اس طرزِ عمل

سے کیا دوسروں کے جذبات پامال نہیں ہوں گے! سورۃ الانعام (آیت ۱۰۸) میں فرمایا گیا:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا ۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ ﴾

’’اور مت گالیاں دو (یا مت برا بھلا کہو) اُن کو جنہیں یہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا‘ تو وہ اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے زیادتی کرتے ہوئے بغیر سوچے سمجھے۔‘‘

بتوں کی نفی کرنا ایمان کا حصہ ہے‘ جبکہ ان کو گالیاں دینا‘ اشتعال انگیز زبان اختیار کرنا نامناسب ہے۔ یہ بڑا پیارا جملہ ہے کہ اگر کسی مکتبِ فکر کے لوگ کسی دوسرے مکتبِ فکر کے افراد‘ شخصیات‘ مقدسات کی فضیلت بیان نہیں کر سکتے یا تعریف نہیں کر سکتے تو خاموش ہو جائیں۔ گالیاں دینا کون سا مذہب ہے؟ زبان دراز کرنا کون سا مذہب ہے؟ ایسے بدبخت ظالم بھی ہیں کہ کسی دریدہ دہن کو محرم کے مہینے میں لندن سے بلایا جاتا ہے اور وہ ساری بدبختیاں کرتا ہے‘ زبان درازی کرتا ہے اور پھر فوراً لندن واپس چلا جاتا ہے۔ کوئی نہیں پوچھتا اس کو۔ سارے ضابطے موجود ہیں۔ کہاں ہے ضابطہ اخلاق پر عمل درآمد کا معاملہ؟ اس معاملے میں بعض حساس ریاستی ادارے والے بھی پریشان ہیں۔ حل یہ ہے کہ ضابطے کو نافذ کریں۔

ہر سال اس طرح کی چیزیں آتی ہیں‘ جذبات کو مجروح کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ اگر اسی طرح جاری رہا تو نفرتیں پیدا ہوں گی‘ انتشار ہوگا‘ بدامنی ہوگی ملک کو آگ میں دھکیلا جائے گا۔ اس حوالے سے بھی ریاستی اور حکومتی اداروں سے گزارش ہے کہ جو ضابطہ اخلاق موجود ہیں‘ انہیں شائع کریں تاکہ عوام کو بھی پتا ہو‘ خطباء کو بھی پتا ہو کہ اگر اس کی خلاف ورزی ہوئی تو پھر سزا بھی دی جائے گی۔ اس کے بغیر یہ معاملات سدھرنے والے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی آبیاری عطا کرے اور اپنی تمام کتابوں اور انبیاء و رُسل ﷩ کا سچا احترام عطا فرمائے۔ صحابہ کرام و اہل بیت کا سچا احترام ہمیں عطا فرمائے۔ ہمیں غیرتِ دینی عطا فرمائے۔ میری اور آپ کی والدہ کو کوئی گالیاں دے تو کیا ہم برداشت کریں گے؟ خون کھولے گا کہ نہیں؟ اس موضوع کو تو میں نے ابھی چھیڑا ہی نہیں جو گستاخیوں والے سینکڑوں کیسز ابھی التواء میں ہیں۔ ہمیں اپنے ایمان اور اپنی غیرت کا جائزہ لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو بھی غیرتِ دینی عطا کرے۔ کل اللہ کے سامنے جواب دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو صحیح فیصلے کرنے‘ ان معاملات کے حوالے سے حساسیت دکھانے اور ترجیحی بنیادوں پر ان معاملات کو حل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین!

حالاتِ حاضرہ

امریکہ ایران جنگ کے حوالے سے ابھی وقتی طور پر وقفے کا معاملہ ہے۔ بہت ساری باتیں سامنے آرہی ہیں۔صہیونی تو رُکنے والے نہیں۔ وہ گریٹر اسرائیل کا منصوبہ تو روکنے والے نہیں۔اکتوبر ۲۰۲۵ء میں نام نہاد جنگ بندی کی گئی تھی'لیکن اس کے بعد بھی ہر روز ایک بچے کی شہادت ہو رہی ہے۔فلسطین میں بیس ہزار سے زیادہ بچے شہید ہو چکے ہیں اور چوالیس ہزار زخمی ہیں۔تازہ ترین صورتِ حال یہ ہے کہ مقبوضہ فلسطین کے علاقے میں اسرائیل اور امریکہ کا معاہدہ ہو گیا ہے۔امریکی سفارت خانہ بنانے کے لیے ۱۳ ایکڑ زمین سالانہ ایک ڈالر پر ۹۹ سال کے پٹا (lease) پر دی گئی ہے۔کون سی ناراضگی ٹرمپ کی اور کون سی ناراضگی نیتن یاہو کی! سب ڈرامہ بازی ہے۔ ع ''فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!'' وہ رکے ہوئے نہیں ہیں۔ اور ہمارا معاملہ کیا ہے؟ میں کراچی کے جس علاقے میں رہتا ہوں' ڈیڑھ سال پہلے وہاں شفٹ ہوا تھا' آج تک قریبی مسجد میں فلسطین کے لیے دُعا ہوتے ہوئے نہیں سنی۔ ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے'اگر منبر سے دعا نہیں ہو رہی تو کیا ہم نے فلسطین والوں کو یاد رکھا ہوا ہے؟

ہماری بے غیرتی کا عالم یہ ہے کہ ہم سے صحیح طور پر بائیکاٹ تک نہیں ہوا۔خدا کی قسم دل خون کے آنسو روتا ہے جب لائنیں لگی ہوئی ہوتی ہیں ان ریسٹورنٹس پر جو واضح طور پر اسرائیل کو سپورٹ کرتے ہیں۔ہم سے وہ برگر نہیں چھوٹتا ہے' وہ سافٹ ڈرنک نہیں چھوٹتی ہے۔ اگر کل ہم پر تھوڑا سا مشکل وقت آئے گا تو ہمارا ایمان بھی زندہ بچے گا یا نہیں؟ امتحان صرف اہلِ فلسطین کا ہی نہیں ہوا بلکہ میرا اور آپ کا بھی ہو رہا ہے۔ دعا ہم نہ کریں' کوئی آواز ہم بلند نہ کریں' امریکہ ایران کی جنگ کے دوران ان کو بھول جائیں' بائیکاٹ ہم سے نہ ہو تو ہمارا ایمان کدھر کھڑا ہے! زندگی ایک امتحان ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (الملک:۲)

اللہ تعالیٰ نے موت اور حیات کا سلسلہ اس لیے قائم فرمایا کہ امتحان لے کہ عمل کے اعتبار سے بہترین کون ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم کرے! فلسطین والوں کو بھی نہ بھولیں' کشمیر والوں کو بھی نہ بھولیں! پاکستان کو بھی نہ بھولیں!

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربِّ العالمین○○

ھَاذِمُ اللَّذَّات

اعجاز لطیف (نائب امیر، تنظیم اسلامی)

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں!
(انشاء اللہ خان انشا)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۠ ۸﴾ (الجمعة)

''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے ملاقات کر کے رہے گی، پھر تمہیں لوٹا دیا جائے گا اُس ہستی کی طرف جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے، پھر وہ تمہیں جتلا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَكْثِرُوا مِنْ ذِكْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ)) (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجه)

''لوگو! موت کو کثرت سے یاد کرو (اور یاد رکھو) جو دنیا کی لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔''

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ انسانی شعور کو جھنجھوڑتے ہوئے اعلان فرماتے ہیں:

﴿اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ﴾
(النساء: ۷۸)

''تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تمہیں آ لے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو!''

یہاں مضبوط قلعوں کی مثال دے کر انسانی ٹیکنالوجی اور مادی تحفظ کے تصور کو پاش پاش کر دیا گیا ہے۔ آج کا انسان جدید میڈیکل سائنس، بہترین سکیورٹی، انڈر گراؤنڈ بنکرز اور جدید اسلحے

☆ تنظیم اسلامی کے نقباء اجتماع ۲۰۲۶ء میں کیا گیا خطاب

کے بل بوتے پر خود کو محفوظ سمجھتا ہے‘ لیکن موت وہ طاقت ہے جس کا راستہ کوئی دیوار نہیں روک سکتی۔ انسان کائنات کی وسعتوں میں کہیں بھی چھپ جائے‘ موت اسے ڈھونڈ نکالے گی۔ یہ خون کی گردش اور سانس کی لہروں کے اندر سے برآمد ہوتی ہے۔ یہ آیت ہمیں سکھاتی ہے کہ دفاع موت کا نہیں بلکہ اس کے بعد آنے والے حالات کا ہونا چاہیے۔

اسی طرح سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ‌ۚ وَيُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ‌ۚ وَيَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ‌ؕ وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا‌ؕ وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌۢ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ ﴿۳۴﴾﴾ (لقمٰن)

’’بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے‘ وہی بارش نازل کرتا ہے‘ اور وہ جانتا ہے جو رحموں میں ہے۔ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کل کیا کمائے گی‘ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کس زمین میں مرے گی۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا‘ پوری خبر رکھنے والا ہے۔‘‘

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے‘ پل کی خبر نہیں
(حیرت الٰہ آبادی)

سورۃ العنکبوت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ثُمَّ اِلَيۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۵۷﴾﴾

’’ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے‘ پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔‘‘

سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے:

﴿كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ‌ؕ وَنَبۡلُوۡكُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَيۡرِ فِتۡنَةً‌ؕ وَاِلَيۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۵﴾﴾

’’ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے‘ اور ہم آزماتے رہتے ہیں تم لوگوں کو شر اور خیر کے ذریعے سے‘ اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔‘‘

سورۃ آلِ عمران میں فرمایا:

﴿كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ‌ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَـنَّةَ فَقَدۡ فَازَ‌ؕ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۱۸۵﴾﴾

’’ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے‘ اور تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن

دیا جائے گا۔ پھر جو شخص آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہی کامیاب ہو گیا۔ اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔''

کیا آپ نے سوچا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ کیوں فرمایا ہے کہ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے' یہ کیوں نہیں کہا کہ ہر ذی روح کو موت آنی ہے؟ کیا آپ نے کبھی اس لفظ ''ذائقہ'' جس کو انگریزی میں taste کہتے ہیں' پر غور کیا؟

سائنس کہتی ہے کہ ہر انسان کے چکھنے کی حِس مختلف ہوتی ہے۔ اگر کسی کو کوئی چیز پسند نہیں' اس کو اس کا ذائقہ برا ہی لگے گا۔ جس طرح ہر چیز کا ذائقہ بنانے کے لیے کچھ اجزاء مخصوص ہوتے ہیں' اسی طرح ہر شخص کی موت کا ذائقہ اس کے اعمال کے مطابق ہو گا۔ یہ آپ کی موت ہے تو اس کا ذائقہ بھی آپ ہی کو چکھنا ہو گا۔ لہٰذا ابھی سے اپنے اعمال اور معاملات درست کر لیں تاکہ موت کا ذائقہ خوش گوار ہو۔ سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٨﴾﴾

''ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اُس کی ذات کے۔ حکومت اُسی کی ہے' اور تم سب اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

سورۃ الرحمٰن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾﴾

''زمین پر جو کوئی ہے سب فنا ہونے والا ہے۔ اور آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی' جو بزرگی اور عزّت والی ہے۔''

ہر نفس طوفان ہے' ہر سانس ہے اِک زلزلہ
موت کی جانب رواں ہے زندگی کا قافلہ
مضطرب ہر چیز ہے' جنبش میں ہے ارض و سما
ان میں قائم ہے تو تیرے رب کے چہرے کی ضیا
کب تک آخر اپنے رب کی نعمتیں جھٹلائے گا!
(جوش ملیح آبادی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی متذکرہ بالا حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

((اَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ))

’’لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز (یعنی موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو۔‘‘

حکایت ہے کہ کسی شخص کی حضرت عزرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے ان سے کہا کہ آپ نے جب میرے پاس آنا ہو تو سال بھر پہلے بتا دیں تاکہ موت کے لیے کچھ تیاری کر لوں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے وعدہ فرما لیا۔ پھر ایک روز اچانک فرمانِ الٰہی لے کر پہنچ گئے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو یوں سامنے دیکھ کر وہ شخص حیران رہ گیا۔ عرض کی: حضرت! آپ نے تو مجھے سال بھر پہلے بتانے کا وعدہ فرمایا تھا‘ لیکن اب آپ اچانک تشریف لے آئے؟ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس سال کے دوران میں تمہارے فلاں فلاں عزیز‘ فلاں فلاں رشتے دار‘ فلاں فلاں دوست کے پاس آیا‘ اور یہی بتانے کے لیے آتا رہا کہ تم بھی تیاری کر لو‘ تمہارے پاس آنے ہی والا ہوں۔ میرا خیال تھا تم کافی عقل مند اور سمجھ دار ہو‘ سمجھ جاؤ گے۔ اگر تم اتنے ہی احمق ہو اور بے وقوف تھے کہ سمجھ نہ سکے تو اس میں میرا کیا قصور!

موت کی یاد: زنگ آلودہ دل کی صفائی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ)) قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا جِلَاؤُهَا؟ قَالَ: ((كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ))

(شعب الایمان للبیہقی)

’’بے شک یہ دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا پانی لگنے سے زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا: ’’یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ان (دلوں) کی صفائی کس چیز سے ہوتی ہے؟‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ’’موت کو کثرت سے یاد کرنے اور قرآن کی تلاوت کرنے سے۔‘‘

انسان موت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے‘ جہنم سے نہیں‘ حالانکہ کوشش کرنے سے انسان جہنم سے تو بچ سکتا ہے‘ موت سے نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

((تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ)) (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

’’مؤمن کا تحفہ موت ہے۔‘‘

موت طبعی طور پر کسی کے لیے بھی خوش گوار نہیں ہوتی‘ لیکن اللہ کے جن بندوں کو ایمان و

یقین کی دولت نصیب ہے وہ عقلی طور پر موت کے مشتاق ہوتے ہیں' ان کی نظر قربِ الٰہی اور لذتِ دیدار پر ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے آنکھ میں نشتر لگوانا طبعی طور پر کسی کو بھی مرغوب اور گوارا نہیں ہوسکتا لیکن اس امید پر کہ آپریشن سے آنکھ میں روشنی آ جائے گی' عقلی طور پر یہ عمل محبوب و مطلوب ہوتا ہے اور ڈاکٹر کو فیس دے کر آنکھ میں نشتر لگوایا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آپریشن کے نتیجہ میں آنکھ کا روشن ہو جانا قطعی اور یقینی نہیں ہے' آپریشن ناکامیاب بھی ہوسکتا ہے' لیکن صاحبِ ایمان و یقین کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعامات بالکل یقینی ہیں۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((اِثْنَتَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ آدَمَ : الْمَوْتُ، وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ، وَ يَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ، وَ قِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ)) (رواہ احمد)

''دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند ہی کرتا ہے (حالانکہ ان میں اس کے لیے بڑی خیر ہوتی ہے)۔ ایک تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا' حالانکہ موت مؤمن کے لیے فتنہ سے بہتر ہے' اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو نہیں پسند کرتا' حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔''

واقعہ یہی ہے کہ ہر آدمی موت سے اور ناداری و افلاس سے گھبراتا ہے اور ان سے بچنا چاہتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو صاحبِ ایمان کے لیے موت اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے کہ وہ مرنے کے بعد دنیا کے دین سوز فتنوں سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔ مال و دولت کی کمی اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے کہ ناداروں اور مفلسوں کو آخرت میں بہت مختصر حساب دینا ہوگا' اور وہ اس سخت مرحلہ سے بڑی جلدی اور آسانی سے فارغ ہو جائیں گے۔ جب انسان افلاس و ناداری کی مصیبت میں گرفتار ہو' یا کسی عزیز کی موت کا صدمہ اس کو پہنچا ہو' تو اس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات سے بڑی تسکین اور تسلی حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت عمرو بن میمون اودیؒ (تابعی) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَ صِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَ غِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَ فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَ حَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ))
(رواہ الترمذی)

’’پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو (اور ان سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے وہ اٹھا لو)۔ غنیمت جانو جوانی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے‘ اور غنیمت جانو تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے‘ اور غنیمت جانو خوش حالی اور فراخ دستی کو ناداری اور تنگ دستی سے پہلے‘ اور غنیمت جانو فرصت اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے‘ اور غنیمت جانو زندگی کو موت آنے سے پہلے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّهُ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَ يُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَ يُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ، وَاِنَّ الرُّوحَ الْأَمِينَ [وَاِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ] نَفَثَ فِي رَوْعِي: اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا، اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ أَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ، فَإِنَّهُ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهِ)) (رواه البغوى فى شرح السنة والبيهقى فى شعب الايمان)

’’اے لوگو! نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں‘ اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے‘ مگر میں تم کو اس سے منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دے دی ہو‘ اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو ممانعت نہ کر دی ہو‘ اس طرح اوامر و نواہی کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں‘ اور اللہ کے تمام مثبت و منفی احکام جو مجھے ملے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں) اور الروح الامین نے —— اور ایک روایت میں ہے کہ روح القدس نے (اور دونوں سے مراد جبرئیل امین ہیں) —— ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی ہے) کہ کوئی متنفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے‘ اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اُس کو موت آ ہی نہیں سکتی ہے)۔ لہٰذا اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور تلاشِ رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو‘ اور روزی میں کچھ تاخیر ہو جانا تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی فکر و کوشش

کرنے لگو' کیوں کہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرماں برداری اور اطاعت گزاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔''

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۶۰﴾

''اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے' پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے تاکہ (یہی سلسلہ جاری رکھ کر زندگی کی) معیّن مدت پوری کر دی جائے۔ پھر تم (سب) کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' (اُس روز) وہ تم کو تمہارے عمل جو تم کرتے ہو (ایک ایک کر کے) بتائے گا۔''

سورۃ الزمر میں ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۲﴾

''اللہ ہی روحوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے' اور اُن کو بھی جن کی موت ابھی نہیں آئی ہوتی اُن کی نیند میں (قبض کر لیتا ہے)' پھر جس پر موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے اُسے روک لیتا ہے' اور دوسری (روحوں) کو ایک مقررہ وقت تک واپس بھیج دیتا ہے۔ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔''

موت کیا ہے؟

میری موت پر مجھ سے سب سے پہلے جو چھین لیا جائے گا وہ میرا نام ہوگا! اس لیے کہ جب میں مر جاؤں گا تو لوگ کہیں گے کہ ''میت'' کہاں ہے! مجھے میرے نام سے نہیں پکاریں گے۔ جب نماز جنازہ پڑھانا ہوگا تو کہیں گے ''جنازہ لے آؤ۔'' میرا نام نہیں لیں گے۔ جب میری تدفین کا وقت آجائے گا تو کہیں گے: ''میت کو قریب کرو۔'' میرا نام بھی یاد نہیں کریں گے! اس وقت نہ میرا نسب اور نہ ہی قبیلہ میرے کام آئے گا اور نہ ہی میرا منصب اور شہرت۔

کتنی فانی اور دھوکے کی ہے یہ دنیا جس کی طرف ہم لپکتے ہیں۔ ؎

ہے یہاں سے تجھ کو جانا ایک دن
قبر میں ہو گا ٹھکانا ایک دن
منہ خدا کو ہے دکھانا ایک دن
اب نہ غفلت میں گنوانا ایک دن!
ایک دن مرنا ہے، آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے!

(از: خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ)

موت سے متعلق دعائیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

((يَا بُنَيَّ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَكُونَ اَبَدًا عَلَى وُضُوءٍ فَافْعَلْ، فَاِنَّ مَلَكَ الْمَوْتِ إِذَا قَبَضَ رُوحَ الْعَبْدِ وَهُوَ عَلَى وُضُوءٍ كُتِبَ لَهُ شَهَادَةٌ))

(شعب الایمان:۲۵۲۹)

’’اے میرے بیٹے! اگر تم سے ہو سکے کہ ہمیشہ وضو کی حالت میں رہو تو ایسا کرو، کیونکہ جب ملک الموت کسی بندے کی روح اس حال میں قبض کرتا ہے کہ وہ وضو کی حالت میں ہو تو اس کے لیے شہادت کا اجر لکھ دیا جاتا ہے۔‘‘

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’جو بندہ پاکیزہ حالت میں سوتا ہے، اس کے ساتھ ایک فرشتہ رہتا ہے، اور رات بھر دعا کرتا رہتا ہے: اے اللہ! اس بندے کو بخش دے، کیونکہ یہ پاکیزہ سویا ہے۔‘‘

(روایت: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحیح الترغیب:۵۹۹)

(۱) رات کو سوتے وقت کی دعا:

((اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوتُ وَ اَحْيَا))

’’اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں۔‘‘

(۲) سو کر اُٹھنے کے بعد کی دعائیں:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ إِلَيْهِ النُّشُورُ))

’’تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں موت (یعنی نیند) کے بعد دوبارہ زندہ کیا‘ اور اسی کی طرف دوبارہ اٹھ کر جانا ہے۔‘‘

((اللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا قَبْلَ الْمَوْتِ، وَارْحَمْنَا عِنْدَ الْمَوْتِ، وَلَا تُعَذِّبْنَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَلَا تُحَاسِبْنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ))

’’یا اللہ! موت سے پہلے ہم کو معاف فرما‘ اور موت کے وقت ہم پر رحم فرما‘ اور موت کے بعد ہمیں عذاب نہ دینا‘ اور قیامت کے دن ہم سے حساب نہ لینا‘ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهُ ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلْ: اللّٰهُمَّ اَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي))

(رواہ البخاری و مسلم)

’’تم میں سے کوئی کسی دکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا (اور دعا) نہ کرے۔ اگر (اندر کے داعیہ سے) بالکل ہی لاچار ہو‘ تو یوں دعا کرے: اے اللہ! میرے لیے جب تک زندگی بہتر ہو اس وقت تک مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو اس وقت تو مجھے دنیا سے اٹھا لے۔‘‘

(۴) مدینہ منورہ میں وفات اور شہادت کی دعا:

((اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ ﷺ))

(صحیح البخاری، کتاب فضائل المدینة، حدیث: ۱۸۹۰)

’’اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما‘ اور میری موت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شہر میں مقدر فرما۔‘‘

یادِ موت کے لیے دس نکاتی عملی فارمولا

(۱) روزانہ احتساب (Self-Audit): رات کو بستر پر لیٹ کر یہ سوچیں: اگر آج میری آخری رات ہو‘ تو کیا میں اپنے ربّ کو منہ دکھانے کے قابل ہوں؟

(۲) جنازوں میں شرکت: جنازے کو محض ایک رسم نہ سمجھیں‘ بلکہ یہ سوچیں کہ اگلی بار اس چارپائی پر میں خود بھی ہو سکتا ہوں۔

(۳) ناگہانی موت کے واقعات سے سبق: خبروں میں حادثاتی اموات کو دیکھ کر اپنی

مہلتِ عمل کی قدر کریں۔

(۴) **قبرستان کی تنہائی:** مہینے میں ایک بار خاموشی سے قبرستان جائیں اور وہاں کے مکینوں کی بے بسی پر غور کریں۔ بڑے بڑے نامور لوگ آج بے نام و نشان پڑے ہیں۔

(۵) **مال سے بے رغبتی:** اپنے پاس موجود قیمتی اشیاء کو دیکھ کر خود سے کہیں: ''یہ سب کچھ یہیں پر رہ جائے گا اور میں چلا جاؤں گا۔''

(۶) **توبہ میں جلدی:** کسی بھی گناہ کے بعد اس پر ندامت کو کل پر نہ ٹالیں' کیونکہ کل کی ضمانت کسی کے پاس نہیں ہے۔

(۷) **بیماروں کی زیارت:** ہسپتالوں کا چکر لگائیں تاکہ آپ کو اپنی صحت اور زندگی کی عارضی نوعیت کا احساس ہو۔

(۸) **موت کا لٹریچر:** ایسی کتابوں کا مطالعہ کریں جو آخرت کی منظر کشی کرتی ہوں' تاکہ دل کی سختی ختم ہو۔

(۹) **ذکرِ الٰہی کی کثرت:** زبان پر اللہ کا ذکر جاری رکھیں' کیونکہ جس حال میں انسان جیتا ہے' اسی حال میں اسے موت آتی ہے۔

(۱۰) **بامقصد مصروفیت:** اپنے وقت کو ان کاموں میں لگائیں جو مرنے کے بعد آپ کے لیے صدقہ جاریہ بن سکیں۔

خلاصہ کلام

موت کوئی حادثہ نہیں' یہ زندگی کا نقطۂ کمال ہے۔ جو شخص اسے یاد رکھتا ہے' وہ زندگی جیت جاتا ہے اور جو اسے بھلا دیتا ہے' وہ جیتے جی مر جاتا ہے۔ اپنی لذتوں کو ڈھانے والی اس حقیقت کو اپنا رہبر بنالیں تاکہ ہماری ابدی زندگی سنور سکے۔

آیئے! دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موت کا ذائقہ ہمارے لیے خوش گوار بنا دے۔ ہم اس دنیا سے ہنستے مسکراتے رخصت ہوں۔ ہماری موت راحت والی موت ہو۔ آمین یا ربّ العالمین!

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن

تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

بدلتی عالمی صورتِ حال اور پاکستان کے پیچیدہ داخلی مسائل

ایوب بیگ مرزا

امریکہ اسرائیل ایران جنگ میں امن معاہدے تو بہت ہوئے‘ MOUs پر دستخط بھی امریکی نائب صدر جے ڈی وینس اور ایران کے سپیکر قالیباف نے کر دیے لیکن حقیقی امن ایک دن کے لیے بھی قائم نہ ہو سکا۔ عیاری یہ کی گئی کہ سیز فائر کی کسی بھی دستاویز پر اسرائیل کے دستخط حاصل نہ کیے گئے۔ اسرائیل لبنان پر مسلسل بمباری کر کے بے بس شہریوں کو شہید کر رہا ہے۔ ظاہر یہ کیا جاتا رہا کہ امریکہ تمام مذاکرات اور معاہدات میں اسرائیل کی نمائندگی کرتا ہے اور وہی اسے جنگ بندی پر مجبور کرے گا۔ اس حوالے سے امریکہ کی اسرائیل کو دھمکیاں اور فون پر ٹرمپ کی نیتن یاہو کو گالی گلوچ کا ذکر بھی میڈیا پر آتا ہے۔ راقم کا تاثر یہ ہے کہ یہ ڈرامابازی محض دنیا کو دکھانے کے لیے ہے‘ حقیقت میں دونوں متفق ہیں اور اُن کا ایجنڈا ایک ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ریاست امریکہ اور اس کا صدر ٹرمپ اسرائیل کے آگے بے بس ہے۔ اسرائیل ہی ۲۸ فروری کو امریکہ کو کھینچ کر جنگ میں لایا تھا‘ اب امریکہ اس دلدل میں پھنس چکا ہے اور اسرائیل اسے کسی صورت جنگ سے باہر نکلنے نہیں دے رہا۔

تاریخ کے اوراق اٹھائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۹۷ء کے پروٹوکولز نے یہودیوں کے بطن سے صہیونیوں کو جنم دیا‘ جن کا روڈ میپ واضح ہے۔ علامہ اقبال نے جو کہا تھا: ع ’’فرنگ کی رگِ جاں پنجہ یہود میں ہے‘‘ تو یہ محض شعر و شاعری نہیں تھی بلکہ علامہ کی فکر انگیزی اور مستقبل کی دنیا پر ایک بے لاگ تبصرہ تھا۔ علامہ نے آنے والے وقت کے حوالے سے دنیا کو ایک آگاہی دی تھی۔ فرنگ کی رگِ جاں پر قبضہ کا نتیجہ تھا کہ بالفور ڈیکلریشن ہوا۔ فطرت نے برطانیہ کو فوری سزا یہ دی کہ یہی صہیونی عالمی طاقت کے مرکز کو برطانیہ سے اٹھا کر امریکہ لے گئے۔ تاریخ کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عالمی طاقت کے مرکز کی امریکہ منتقلی ایک نتیجہ

تھی جبکہ اس کا سبب دو عالمی جنگیں تھیں جو صہیونیوں نے یورپ میں کروائی تھیں۔ حقیقت میں برطانیہ یہ دونوں جنگیں جیت کر بھی ہار گیا تھا اور صہیونی اپنے لیے کھلا میدان پا لینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ تو اب ایک کھلا راز ہے کہ ان دونوں جنگوں میں صہیونی سرمایہ دونوں طرف استعمال ہو رہا تھا اور وہ جنگ کی آگ میں ایندھن ڈال رہے تھے۔ یورپ کو کمزور کر کے وہ وہاں اپنے کنٹرول کو مضبوط کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ راقم چاہے گا کہ پہلے صہیونیوں کے مذکورہ روڈ میپ کی اپنے فہم کے مطابق نقاب کشائی کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسے صہیونیوں کی فطرت تو نہیں کہا جا سکتا البتہ ان کی جبلت ایسی ہے کہ وہ سازش سے باز رہ ہی نہیں سکتے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سازش ان کے ڈی این اے میں ہے۔ اور تو اور' انہوں نے اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا! بالآخر اللہ نے یہودیوں کو ردّ کر دیا اور وہ اُمّتِ مسلمہ کے منصب سے معزول کر دیے گئے۔ البتہ کوئی غیر جانبدار تبصرہ نگار اُن کے ذہین وفطین اور محنتی ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ ایک قوم کی حیثیت سے تاریخ میں ان پر عروج بھی آئے اور وہ زوال سے دوچار بھی ہوئے۔ اگر یہودیوں کی تاریخ کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات بڑی آسانی اور کافی حد تک صحیح انداز میں اخذ کی جا سکتی ہے کہ وہ مسلسل ترقی اور کامیابی سے ہمکنار ہوتے رہتے ہیں لیکن ہر صدی میں ایک بار وہ بُری طرح زوال اور شکست وریخت سے دوچار ہوتے ہیں۔ اِن کی مثال سانپ اور سیڑھی کے کھیل کی مانند ہے۔ وہ تیزی سے سیڑھی چڑھتے ہوئے منزل کے قریب پہنچتے ہیں کہ ڈسے جاتے ہیں اور دھڑام سے نیچے آ گرتے ہیں۔ واللہ اعلم!

ان کی موجودہ سٹرٹیجی یہ ہے کہ امریکی عسکری قوت کو اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے بھرپور استعمال کرو۔ امریکی سرپرستی میں انہوں نے غزہ میں درندگی کی جو مثالیں قائم کیں' تاریخ میں اس کی نظیر کم ہی ملے گی۔ بہرحال وہ غزہ کے ۸۰ فیصد رقبہ پر قابض ہو چکے ہیں۔ بورڈ آف پیس کا وجود میں آنا ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان بھی اس کا حصہ ہے۔ منصوبہ یہ دکھائی دیتا ہے کہ حالیہ جنگ میں امریکہ کی طاقت استعمال کرتے ہوئے پہلے ایران کو نیست و نابود کر دیا جائے (خدانخواستہ)۔ پھر خلیجی ریاستوں پر چڑھائی کی جائے اور انہیں اس حد تک تباہ و برباد کر دیا جائے کہ وہ کسی موقع پر بھی اسرائیل کے راستے میں حائل نہ ہو سکیں۔ انہیں اپنی بقا

اسی میں نظر آئے کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کر کے کم از کم حکومتی سطح پر اس کے دست و بازو بن جائیں۔ پھر مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے اسرائیل تھرڈ ٹیمپل تعمیر کرے۔ مسجد اقصیٰ کی شہادت دنیا بھر خاص طور پر عرب عوام کو مشتعل کر سکتی ہے۔ چونکہ قوت کی بنیاد پر عرب ریاستوں کو پہلے ہی سرنگوں کیا جا چکا ہوگا' لہٰذا ان کے سربراہ اپنے اقتدار کے تحفظ کی خاطر اپنے ہی عوام پر گولیاں چلائیں' انہیں شہید کریں اور اسرائیل کے مقاصد کی تکمیل ہو سکے۔ یہ تو ہے صہیونیوں کی وہ منصوبہ بندی جس پر اسرائیل مستقبل قریب میں عمل درآمد کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ بھی نوٹ کیا جانا چاہیے کہ اسرائیل اگرچہ امریکہ کی قوت کو استعمال کر کے اپنے بڑے بڑے کام نکلوانا چاہتا ہے لیکن اپنے اتنے بڑے محسن کو بھی ڈسنا چاہتا ہے۔ اس کی منصوبہ بندی صاف واضح ہو رہی ہے کہ امریکہ جب اس کی خاطر اتنی بڑی جنگ خود پر سوار کر لے گا تو منطقی طور پر وہ مالی اور عسکری طور پر کمزور پڑے گا۔ ایسے میں اسرائیل کے پاس سنہری موقع ہوگا کہ وہ امریکہ پر اپنا شکنجہ مزید مضبوط کر لے۔ امریکہ اسرائیل کا اور زیادہ محتاج ہوگا۔

راقم کو یہ عرض کر دینے میں بھی کوئی باک نہیں کہ اسرائیل اس جنگ کا دائرہ وسیع کر کے پاکستان کو بھی ملوث کرے گا۔ اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ خلیجی ریاستوں میں سے سعودی عرب سے پاکستان کا دفاعی معاہدہ موجود ہے اور اس میں واضح طور پر درج ہے کہ ایک ملک پر حملہ دوسرے ملک پر حملہ سمجھا جائے گا۔ قارئین کو یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اسرائیل ایک مدت سے پاکستان کو اپنا اولین دشمن قرار دیتا آیا ہے۔ اس کا کھلم کھلا اظہار اسرائیل کے سابق وزیراعظم بن گوریان نے پیرس میں ایک کانفرنس میں اس وقت کیا تھا جب وہ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں فتح کا جشن منا رہے تھے۔ اس نے واضح طور پر کہا تھا کہ یہ بیچارے عرب ہمارا کیا مقابلہ کریں گے' ہمارا اصل مقابلہ تو پاکستان سے ہوگا۔ یاد رہے کہ اُس وقت تک تو پاکستان ایٹمی قوت بھی نہیں تھا۔ راقم کی رائے میں ایران پر بھی حملہ اصل میں پاکستان کی طرف بڑھنے کے لیے پہلا قدم تھا' اس لیے کہ اب پاکستان ایٹمی قوت حاصل کر چکا ہے اور اسرائیل کے لیے خطرہ مزید بڑھ گیا ہے۔ ایران لوہے کا چنا ثابت ہوا کہ وہ اسرائیل کے دانت توڑتا نظر آتا ہے۔ لہٰذا ایران سے نمٹے بغیر اسرائیل کبھی پاکستان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بڑی بے تابی سے امریکہ سے مطالبہ کر رہا ہے بلکہ اسے جھنجوڑ رہا ہے کہ وہ جلد از جلد کوئی

بڑا حملہ کر کے یا غیر روایتی اسلحہ استعمال کر کے ایران کو ملیامیٹ کرے اور پھر اگلا قدم اٹھایا جائے۔ یعنی پاکستان کی طرف بڑھے جسے وہ ایک طویل عرصے سے اپنا اولین‘ اہم اور خطرناک ترین دشمن سمجھتا ہے۔ یہاں ضمناً یہ عرض کر دینا قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ وہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کر دینے کے حوالے سے کیا کچھ کر چکا ہے۔

خورشید محمود قصوری آن ریکارڈ ہیں کہ جب وہ وزیر خارجہ تھے تو پاکستان کی خفیہ ایجنسیاں یہ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھیں کہ اسرائیلی بھارت کی مدد سے مقبوضہ کشمیر سے کہوٹہ پر پاکستان کے ایٹمی تنصیبات پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ پھر یہ خبر ملی کہ آج رات ہی یہ حملہ ہوگا۔ تب پاکستان نے نصف شب کو سوئٹزرلینڈ‘ امریکہ اور دوسرے ممالک کو آگاہ کیا کہ اگر یہ ہوا تو ہم ایسا جواب دیں گے جس سے برصغیر تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اس پر سوئٹزرلینڈ کے سفیر نے کہا کہ ہم صبح آپ کو اس کا جواب دیں گے‘ جس پر پاکستان کی طرف سے کہا گیا کہ ہوسکتا ہے کہ برصغیر پر صبح طلوع نہ ہو۔ اگر آپ کچھ کر سکتے ہیں تو فوری طور پر کریں۔ چنانچہ اسرائیل اور بھارت کو اپنا پروگرام بدلنا پڑا۔

یہاں پاکستان کے ان عناصر کے لیے اہم اور مُسکت جواب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایٹمی دھما کا کر کے ہم نے خواہ مخواہ خود کو مصیبت میں پھنسا لیا ہے۔ یہ بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے بھارت اپنی افواج سرحدوں پر لے آیا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی وقت بھی حملہ کرسکتا ہے۔ تب غلام اسحاق صدر تھے۔ انہوں نے امریکہ سے رابطہ کر کے کہا تھا کہ ہم بھارت کا روایتی جنگ میں مقابلہ نہیں کر سکتے‘ لہٰذا اگر بھارت نے ہم پر حملہ کیا تو ہماری طرف سے جنگ کا آغاز غیر روایتی اسلحے سے ہوگا۔ یعنی ہم ایٹمی حملہ کر کے جواب دیں گے۔ اس وقت امریکہ کے وزیر خارجہ بیرون ملک دورے پر تھے۔ انہیں ایس او ایس کال پر امریکہ طلب کیا گیا اور پاکستان کے عزائم سے آگاہ کیا گیا۔ تب بھی جنگ رک گئی تھی۔ ایٹمی صلاحیت کی اہمیت اور ضرورت سمجھنے کے لیے یہ ایک بہترین مثال ہے۔ اس وقت سے بھارت نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ پاکستان ایٹمی بلیک میلنگ کرتا ہے۔ ہیلری کلنٹن جب امریکہ کی وزیر خارجہ تھی تو اس نے کہا تھا کہ ہم نے ایک ریپڈ فورس بنائی ہے جو کسی وقت بھی آناً فاناً اقدام کر کے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر قبضہ کر لے گی۔ دشمن کی ان کارروائیوں کا فائدہ یہ ہوا کہ پاکستان نے اپنی

ایٹمی تنصیبات کو ملک بھر میں پھیلا دیا تا کہ کوئی چھاپہ مار قسم کی کارروائی ایک جگہ پر حملہ کر کے پاکستان کو ایٹمی تنصیبات سے محروم نہ کر دے‘ جیسے کہ امریکہ نے وینزویلا میں کارروائی کی ہے۔ یہاں یہ وضاحت فائدہ مند رہے گی کہ یوکرین نے اگر اپنے نام نہاد دوستوں کے کہنے پر ایٹمی صلاحیت ختم نہ کی ہوتی تو آج روس کو اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ قصہ مختصر‘ اسرائیل اپنے لیے یہ بھی مفید سمجھتا ہے کہ تیسری عالمی جنگ چھڑ جائے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہودی دنیا میں بڑی قلیل تعداد میں ہیں‘ اگر کوئی بڑی جنگ دنیا میں آبادی کی کمی کا باعث بنتی ہے تو یہ یہودیوں کے عالمی قوت بننے کے لیے سازگار ہوگا۔ بہرحال اس سارے پلان کے پہلے مرحلے میں وہ حالیہ جنگ کے نتیجے میں چاہے گا کہ مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے اور تھرڈ ٹیمپل تعمیر کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ یہ گریٹر اسرائیل کے قیام کی طرف ایک بڑا قدم ہوگا۔ یہ اسرائیل کا پلان ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ گزشتہ پون صدی سے وہ اپنے ٹارگٹ کی طرف کامیابی سے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

حالیہ امریکہ اسرائیل اور ایران جنگ کی صورتحال دیکھ لیں۔ پہلے یورپ کے تمام بڑے ممالک کی حکومتیں اسرائیل کی مخالفت کر رہی تھیں۔ برطانیہ کی حکومت اس حوالے سے سرفہرست تھی۔ صہیونی سازشوں سے برطانیہ کی اس حکومت کو گرانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ وہاں کے وزیراعظم کو استعفاء دینا پڑا۔ فرانس بھی بہت بڑا مخالف تھا۔ وہاں سازشوں کا جال بچھایا جا رہا ہے۔ وہاں اگرچہ صدر میکرون طاقت کا مرکز ہیں لیکن بہرحال وزیراعظم وہاں بھی اپنے عہدہ برقرار نہیں رکھ سکا۔ اب مختلف یورپی حکومتوں کی طرف سے ایران کے خلاف آوازیں اٹھنا شروع ہوگئی ہیں۔ اس حوالے سے صہیونی بڑے پُراسرار طریقے سے آگے بڑھ رہے ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ایک طرف یہودیوں کی یہ سازشی چالیں اور دوسری طرف اُمّتِ مُسلمہ کا جو حال صحافی حسن نثار نے بیان کیا ہے‘ وہ ہم ’’نقل کفر کفر نباشد‘‘ کہہ کر نقل کر رہے ہیں۔ وہ یہ کہ اگر اللہ نے اب ابابیل بھیجے تو وہ مسلمانوں کو کنکر ماریں گے۔ اللہ تعالیٰ ایسے وقت سے بچائے لیکن اُردو کی ضرب المثل ہے کہ بلی کو دیکھ کر اگر کبوتر آنکھیں بند کر لے تو وہ جان نہیں بچا سکتا۔ حقائق سے کتنی دیر آنکھیں چرائی جا سکتی ہیں۔ اُمّتِ مُسلمہ خاص طور پر اس کے حکمران غیروں کے مقاصد پورے کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے اور راہ راست پر گامزن کر دے۔ آمین! ہمیں یہودیوں کے عزائم اور اس حوالے سے ان کی کامیابیوں سے ہرگز ہرگز مایوس نہیں

ہونا چاہیے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اللہ کی رسی تھام لی جائے۔ یہودی عیار ہیں‘ سازشی ہیں لیکن انسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک طرف تو انہیں مہلت دے رہا ہے اور دوسری طرف ہمارے اعمال کی وجہ سے ہم پر ذلت مسلّط کر رہا ہے‘ وگرنہ اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

﴿اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَيۡـًٔـا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۸۲﴾﴾ (یٰسین)

’’اُس کے امر کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ اسے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔‘‘

رہ گیا یہودیوں کا مکر تو اس کا بھی جواب دے دیا گیا:

﴿وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ‌ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمٰكِرِيۡنَ ﴿۵۴﴾﴾ (آل عمران)

’’اب انہوں نے بھی چالیں چلیں اور اللہ نے بھی چال چلی۔ اور اللہ تعالیٰ بہترین چال چلنے والا ہے۔‘‘

لہٰذا مسلمانوں کو گھبرانے یا ڈرنے کے بجائے اپنی نیت اور اعمال درست کرنے کی ضرورت ہے۔

اُمّتِ مُسلمہ میں پاکستان صرف ایٹمی قوت کا حامل ہونے اور مضبوط فوج رکھنے کی وجہ سے ہی اہم نہیں بلکہ دُنیاوی لحاظ سے بھی انتہائی خاص ہے۔ پاکستان کی اصل قوت جس سے دشمن خائف ہیں وہ اس کا ایک اسلامی نظریاتی ریاست ہونا ہے۔ کسی نظریاتی ریاست کے پاس جب مضبوط فوج ہو گی تو کوئی عالمی قوت اس کو آنکھیں نہیں دکھا سکے گی۔ اس کے ساتھ تصادم سے پہلے ہزار بار سوچے گی۔ البتہ اس وقت پاکستان کسمپرسی کی حالت میں ہے‘ جس کی وجہ سے اس کے بھی خواہ بڑی تشویش میں مبتلا ہیں۔ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ قریباً چار سال پہلے جنرل باجوہ نے گن پوائنٹ پر عدمِ اعتماد کے ذریعے وقت کی حکومت تبدیل کر دی۔ یہ حقیقت میں حکومت کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ رجیم چینج تھا۔ افغانستان میں امریکہ کو شکست سے دوچار کر کے اس خطے سے نکالا گیا تھا۔ امریکہ نے اپنے پاؤں دوبارہ جمانے کے لیے اس وقت پاکستان کی حکومت سے تعاون چاہا اور اس مقصد کے لیے اڈے حاصل کرنے کی کوشش کی‘ جس پر اس کو منہ توڑ جواب ملا اور ’’!Absolutely not‘‘ سننا پڑا۔ اس پر امریکہ میں پاکستان کے سفیر کو طلب کر کے کہا گیا جو کچھ کہا گیا‘ اس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے: ’’موجودہ حکومت کو چلتا کرو تو تمہارے لیے مکمل معافی ہو گی۔‘‘ یہ بات پاکستان کے سفیر کو زبانی طور پر کہی گئی‘ جسے تحریر کی شکل دے کر حکومتِ پاکستان کو بھیج دیا گیا۔ اسے ’’سائفر‘‘ کا نام دیا گیا۔ وقت کے وزیراعظم نے اسے ایک

جلسہ عام میں لہرا کر بات عوام کے سامنے رکھ دی۔ ظاہر ہے یہ سپر پاور کے لیے ناقابلِ قبول تھا۔ جنرل باجوہ اس میں پوری طرح ملوث تھے۔ بالآخر وقت کی حکومت کو چلتا کر دیا گیا۔ اس وقت کی اپوزیشن جو موجودہ حکومت ہے‘ نے سائفر کو سیاسی ڈراما قرار دیا۔ ایک بڑے صحافی نے یہ تک کہہ دیا کہ اگر سائفر نامی کوئی شے ثابت ہوگئی تو میں صحافت چھوڑ دوں گا۔ وقت نے ثابت کیا کہ سائفر ایک حقیقت تھی۔ بہرحال وہ بڑے صحافی ابھی تک کان لپیٹ کر صحافت کرتے چلے جا رہے ہیں۔ قصہ مختصر‘ اپوزیشن نے حکومت سنبھال لی اور پھر چین کی طرف بڑھتا ہوا پاکستان یکدم امریکہ کی گود میں جا گرا۔

نئی حکومت نے اپنا ایجنڈا یہ دیا کہ معیشت کو بحال کر کے پاکستان کو ایشین ٹائیگر بنایا جائے گا‘ مہنگائی کا خاتمہ کیا جائے گا اور پاکستان کی عالمی تنہائی ختم کی جائے گی۔ بدقسمتی سے معیشت بدترین حالت پر پہنچ گئی اور مہنگائی کا عالم یہ ہے کہ عوام جھولیاں اٹھا اٹھا کر موجودہ حکومت کو بددعائیں دے رہے ہیں۔ ملکی اور غیر ملکی قرضے گزشتہ پون صدی میں اتنے نہیں لیے گئے جتنے گزشتہ چار سالوں میں لیے جا چکے ہیں۔ ان قرضوں پر سود ادا کرنے کے لیے مارکیٹ سے انتہائی بلند شرح سود پر مزید قرض لیا جا رہا ہے جس سے معیشت پر بڑا دباؤ آ رہا ہے۔ ایس آئی ایف سی اور وزیراعظم کے بے تحاشا‘ پُرتعیش غیر ملکی دورے بھی بیرونِ ملک سے سرمایہ کاری لانے میں بری طرح ناکام رہے۔ بیرونی سرمایہ کاری ملک میں کیا آتی‘ بجلی اور گیس کے ہوش ربا نرخ کی وجہ سے پاکستان سے سرمایہ اور سرمایہ دار دونوں غیر ممالک منتقل ہو رہے ہیں جس سے بے روزگاری اور غربت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ حکومت اپنے اخراجات کم کرنے میں بھی ناکام ہوئی ہے۔ لہٰذا معیشت کی تباہی ملکی سکیورٹی کا مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ امیر اور غریب میں بڑھتی ہوئی خلیج کا یہ عالم ہے کہ ایک طرف باپ اپنے بیٹے کو بغیر کفن کے دفنانے جاتا نظر آتا ہے اور دوسری طرف حکمران سیر و سیاحت کے لیے گیارہ ارب روپے کی خطیر رقم سے جہاز خرید رہے ہیں۔

پھر یہ کہ عدل و انصاف کا قیام جو کسی ملک کی سلامتی اور بقا کی بنیاد بنتا ہے‘ وہ عنقا ہے۔ برطانیہ کے وزیراعظم ونسٹن چرچل نے عالمی جنگ کے دوران لندن ہائی کورٹ کا دورہ کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ برطانیہ کی عدالتیں چونکہ عوام کو انصاف مہیا کر رہی ہیں لہٰذا ہم فتح یاب ہوں گے۔ پاکستان میں ۲۶ ویں اور ۲۷ ویں آئینی ترمیم نے عدل کو جس طرح ملیامیٹ کیا ہے

اس کی نظیر جدید دنیا میں بمشکل ملے گی۔ دنیا میں یہ ضرب المثل مشہور ہے کہ قانون اندھا ہوتا ہے لیکن پاکستان میں عدل اپنی بینائی کھو چکا ہے۔ ملک کی اشرافیہ کے لیے قانون الگ ہے اور غریب بلکہ متوسط طبقہ کے لیے قانون الگ۔ اس کی انتہائی قابلِ مذمت مثال حال ہی میں نظر آئی ہے۔ اسحاق ڈار جو طویل عرصے تک مسلم لیگ (نون) کی طرف سے پاکستان کے وزیر خزانہ رہے ہیں اور آج کل وزیر خارجہ ہونے کے ساتھ ڈپٹی پرائم منسٹر بھی ہیں' ان کے نواسے ۲۱ سالہ رضا ڈار نے دو غیر ملکی خواتین سے کئی کروڑ روپے کا کاروبار کیا۔ ان کے مطابق ان خواتین نے ان سے دھوکا کیا اور ان کی رقم ہڑپ کر گئیں۔ رضا ڈار اور ان کے ساتھیوں نے ان دو خواتین کو یہ کہہ کر پاکستان بلایا کہ ہم اس معاملے میں نہ صرف افہام و تفہیم کا معاملہ کرتے ہیں بلکہ مزید رقم بھی اس کاروبار میں انویسٹ کریں گے۔ جب یہ خواتین پاکستان آئیں تو انہیں اغوا کر کے کسی مقام پر لے جایا گیا جہاں رضا ڈار کے ساتھیوں نے جنسی ہراسگی کا معاملہ کیا۔ بعد ازاں انہیں کار میں کہیں اور لے جا رہے تھے کہ ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ ان عورتوں کو شور مچا کر باہر نکلنے کا موقع مل گیا۔ اگرچہ بعد ازاں بعض ملزمان کا ڈی این اے بھی میچ کر گیا' لیکن ہم اس بات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان سوالات پر لازمی طور پر بات کریں گے جو اس سانحہ کی وجہ سے اٹھے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ وزیر خارجہ اور نائب وزیر اعظم ایک طویل عرصے تک پاکستان کے وزیر خزانہ رہے ہیں اور عوام کو ٹیکس ادا کرنے کی نصیحتیں کرتے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا موصوف کے ۲۱ سالہ نواسے نے جو کئی کروڑ روپے ان خواتین کے ساتھ انویسٹ کیے تھے' ان کی کوئی منی ٹریل ایف بی آر کو فراہم کی گئی؟ کوئی مالی گوشوارے جمع کرائے گئے؟ ایسا کچھ ہوتا تو کھل کر بتایا جاتا۔ شنید ہے کہ کرپٹو کرنسی کے حوالے سے ان خواتین کے ساتھ مشترکہ کاروبار پہلے بیرون ملک ہوا تھا جس میں بہت بڑا نقصان ہو گیا۔ ڈار فیملی کے مطابق درحقیقت ان دو خواتین نے بددیانتی کی تھی۔ ڈار صاحب نے انہیں معاملات طے کرنے کے لیے بلایا تھا۔ ان کے ویزے کے حوالے سے بھی ان کی مدد کی۔ سوال یہ ہے کہ اگر خالصتاً کاروباری معاملہ تھا تو انہیں اغوا کیوں کیا گیا اور ان سے درندگی کیوں ہوئی؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ پنجاب کی وزیر اعلیٰ جو ڈار صاحب کی قریبی رشتہ دار بھی ہیں' انہوں نے ایک عرصے سے یہ پالیسی اختیار کی ہوئی تھی کہ اگر پنجاب میں کسی عورت کے ساتھ جنسی زیادتی کا مقدمہ درج ہوتا تو دوسرے ہی دن بغیر

کسی تحقیق اور تصدیق کے پولیس مقابلے میں ملزمان مار دیے جاتے ہیں۔ سی سی ڈی کا محکمہ ایسے سینکڑوں واقعات کر چکا ہے۔ راقم اس طریق کار کے سخت خلاف ہے لیکن اس سانحہ کے حوالے سے نہ صرف سی سی ڈی کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے بلکہ ایک ایس ایچ او جج کے گھر میں گھس گیا اور دھمکی دی کہ فوری طور پر ملزمان کو ضمانت دی جائے۔ جج نے انکار کر دیا۔ اگلے دن جج حضرات کی دھمکی پر اس ایس ایچ او کو گرفتار کر لیا گیا۔ شروع میں طاقتوروں کے ایماء پر مین سٹریم میڈیا میں اس سانحہ کا بہت ذکر ہوا جبکہ ان خواتین کو ایئر پورٹ سے واپس بلا کر ان سے ۱۶۴ اے کے تحت بیانات حلفی لیے گئے۔ تعزیرات پاکستان کے تحت یہ نا قابل ضمانت جرم ہے۔ پھر یہ کہ گینگ ریپ میں قانون صلح کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ لہٰذا کچھ ملزمان گرفتار ہیں لیکن صلح صفائی کا پس پردہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ خواتین کو ان کے ملک واپس بھیج دیا گیا ہے اور میڈیا کو اس پر بات کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ راقم نے یہ واقعہ اس لیے تحریر کیا ہے کہ جس ریاست میں عدل کو یوں تماشا بنا دیا جائے کہ ایک ہی جرم کرنے پر کچھ ملزموں کو جرم ثابت ہونے سے پہلے ہی گولیوں سے بھون ڈالا جائے جبکہ کچھ ملزموں کو بچانے کے لیے انتظامیہ خود میدان میں اتر آئے تو ایسی ریاست کا مستقبل کیا ہوگا؟ خاص طور پر ایسی ریاست جو اسلام کے بنیادی نظریے پر قائم ہوئی اور مملکت خداداد پاکستان کہلاتی ہے۔

یاد رہے ''عدل'' اسلام کا کیچ ورڈ ہے' عدل کے بغیر اسلام کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسلام ایسا مذہب ہے جس میں ایک غیر مسلم شہری کی درخواست پر بھی قاضی خلیفہ وقت کو عدالت میں طلب کرتا ہے۔ خلیفہ حاضر ہوتا ہے۔ عدالت دونوں سے یکساں سلوک کر کے عادلانہ فیصلہ سناتی ہے۔ لہٰذا یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ عدل ریاست کے عروج کا باعث بنتا ہے اور ظلم ریاست کی شکست وریخت کا باعث بنتا ہے۔ آج اگر اسلام کا عادلانہ نظام عالمی سطح پر رائج ہو جائے تو دنیا میں جنگ وجدل ویسے ہی ختم ہو جائے!

اب آجایئے موجودہ جنگ کی صورت حال کی طرف جو انتہائی شدت اختیار کر چکی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ اب اپنے منطقی انجام کو پہنچے گی۔ حقیقت میں ایران مجاہدانہ جنگ لڑ رہا ہے۔ وہ امن کا خواہاں ہے لیکن دشمن کے عزائم کو سمجھتے ہوئے اس کے ہر وار کا نہ صرف مردانہ وار مقابلہ کر رہا ہے بلکہ آگے بڑھ کر وار بھی کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی ملک بھی ایران کی کھل کر مدد

نہیں کررہا۔ مسلمان ممالک تو یہ سوچتے ہیں کہ یہ ساری مصیبت ان پر ایران کی وجہ سے آن پڑی ہے‘ اگر ایران کا خدانخواستہ خاتمہ ہوجائے تو امن قائم ہوجائے گا اور ہمارا اقتدار محفوظ ہوجائے گا۔

راقم کی رائے میں یہ دل فریبی اور خود فریبی ہے۔ یہ حقائق سے آنکھیں چرانا ہے۔ راقم کو یہ خطرہ ہے کہ اسلام دشمن قوتیں ایران کو ختم کر کے خلیجی ریاستوں کی طرف بڑھیں گی۔ اسرائیل ان کے بازو آزما چکا ہے‘ ان میں جان نہیں۔ وہ عیش و عشرت کے ایسے دلدادہ ہو چکے ہیں کہ اوّل تو مقابلہ کرنے کی سکت ہی نہیں رکھتے۔ پھر ان کا سارا اسلحہ امریکہ اور یورپ کا دیا ہوا ہے جو کسی صورت کام نہیں آئے گا۔ مزید یہ کہ شاید ہی کسی مسلمان حکومت کو اپنے عوام کی حمایت حاصل ہو۔ ان کی حکومتیں امریکہ کی بیساکھیوں پر قائم ہیں۔ ظاہر ہے جب وقت آئے گا تو امریکہ یہ بیساکھیاں خود ہی توڑ دے گا۔ یہ ہر اُس ریاست کا انجام ہوا ہے‘ اور ہوگا‘ جو اپنے دفاع کے لیے دوسروں کی محتاج ہے۔ عرب ریاستیں جو اپنے دشمن کی محتاج ہیں‘ جنگ کے اگلے مرحلے میں کیسے بچ سکیں گی؟ غیر عرب ممالک میں پاکستان اور ترکیہ دو ایسے ملک ہیں جو اپنے دفاع کے لیے اسلام دشمن قوتوں کے محتاج نہیں۔ وہ کافی حد تک اسلحہ سازی میں خود کفیل ہیں۔ پھر ان کی افواج‘ ماشاءاللہ‘ بڑی پیشہ ورانہ اور مضبوط ہیں۔ یہاں دشمن کا سخت مقابلہ پیش آئے گا۔ البتہ راقم کو چونکہ ہر وقت زمینی حقائق کو سامنے رکھ کر بات کرنی ہے تو افسوس کے ساتھ عرض ہے کہ پاکستان اور ترکی فوجی لحاظ سے تو مضبوط ہیں لیکن دونوں کی معاشی اور مالی حالت بہت پتلی ہے۔ اس صورتِ حال میں دونوں کے لیے امریکہ جیسے طاقتور ملک کا مقابلہ کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ راقم کی رائے میں اب بھی وقت ہے کہ دونوں ممالک خاص طور پر پاکستان ایک تو اپنی فضول خرچیاں ختم کر کے معاشی صورتِ حال کو بہتر بنالے‘ اور دوسرا یہ کہ ملک میں عوامی رائے کا احترام کرتے ہوئے افہام و تفہیم کے ساتھ اندرونی مسائل حل کرے۔ اپنے مخالفین کو کارنر کرنے اور بے دست و پا کرنے کے بجائے تعاون کی فضا پیدا کرے۔ فکری سطح پر ہم آہنگی پیدا ہوجائے تو کسی بھی دنیاوی طاقت کے لیے پاکستان کو آسانی سے دبوچ لینا ممکن نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب کو‘ خاص طور پر حکمرانوں کو حالات کی سنگینی کو سمجھنے کی توفیق دے۔ اپنی انا یا ذاتی اقتدار کے بجائے ملک و قوم کا تحفظ اپنی اولین ترجیح بنالیں تو کچھ ناممکن نہیں۔ ہم آنے والی جنگ میں بفضلہ تعالیٰ سرخرو ہوں گے۔ ان شاءاللہ!

❁❁❁

رسولِ اکرم ﷺ اور ماحول کا تحفّظ

پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی

صنعتی انقلاب کے نتیجے میں روز افزوں متنوع صنعت گاہوں کے قیام اور نت نئے تیز رفتار ذرائع آمد ورفت کی مسلسل ایجادات نے گزشتہ کئی عشروں سے ماحول کے تحفظ کو عالمی توجہ کا موضوع بنا دیا ہے‘ کیوں کہ ماحول کی آلودگی انسانی صحت اور زندگی کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ بن چکی ہے۔ وہ زمین جس پر انسان رہتا اور بستا ہے‘ اس کے بعض حصوں پر غلاظتوں اور گندگی کا اتنا انبار ہے کہ انسانی زندگی اس کے تعفن سے اذیت میں مبتلا ہے۔ صنعتی ترقی کے لیے جنگلوں اور پیڑوں کے غیر متناسب استعمال بلکہ استحصال نے موسمی تغیرات کا رخ بدل دیا ہے۔ وہ ہوا جس میں ہم سانس لیتے ہیں صنعت گاہوں‘ کارخانوں اور کیمیاوی تجربہ گاہوں کے چھوڑے ہوئے فضلات اور بڑی چھوٹی موٹر گاڑیوں کی لمبی قطاروں کی کثافتوں سے اس حد تک زہر آلود ہو چکی ہے کہ انسان تنفس‘ پھیپھڑوں‘ جگر‘ قلب اور جلد کی اَن گنت بیماریوں کا شکار ہو رہا ہے۔ جانور اور پرندے بھی اس سے متاثر ہو رہے ہیں اور نت نئی بیماریاں جغرافیائی حدود کو پار کر رہی ہیں۔

یہاں تک کہ اوزون پرت (Ozone layer) جو سورج کی شعاعوں کے مضر اثرات سے ہماری زمین کی فضا کی حفاظت کرتی ہے‘ اس میں سوراخ ہو رہا ہے اور انسانی زندگی کے لیے خطرات روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ وہ پانی جسے انسان خود پیتا ہے اور اپنے مویشیوں کو پلاتا اور کھیتوں کو سیراب کرتا ہے‘ اس میں کیمیاوی مادوں اور زہریلے فضلات کی آمیزش اس قدر ہو رہی ہے کہ آبِ حیات کے ساتھ ساتھ انسانی جسم و جان میں بھی زہریلے اثرات منتقل ہو رہے ہیں اور وہ مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو رہا ہے۔ کسی صنعتی شہر میں دن گزار کر جب آپ گھر لوٹیں تو اپنے لباس اور جسم پر اور اپنے منہ اور ناک میں کثافتوں کی سیاہی واضح طور پر محسوس کر سکتے ہیں۔

قومی اور بین الاقوامی جنگوں میں آتشیں ہتھیاروں کے بے دریغ استعمال کے علاوہ بڑے پیمانے پر کیمیاوی گیسوں، بارودی مواد اور لیزر شعاعوں کا استعمال بھی کیا جانے لگا ہے۔ یہ تباہ کن ہتھیار صرف اپنے نشانہ کو ہی برباد نہیں کرتے بلکہ ایک خاص فاصلے تک پائے جانے والے ہر جاندار اور مجموعی ماحول پر بھی انتہائی مضر اثرات مرتب کرتے ہیں، جو زمین کا نمو ختم کر کے اس میں زہر بھر دیتے ہیں اور درجۂ حرارت بڑھا کر ماحول کا توازن بگاڑ دیتے ہیں۔

اس صورتِ حال میں حکومتوں، عالمی تنظیموں، رفاہی انجمنوں، علمی اور تحقیقاتی اداروں کی تشویش بجا اور برملا ہے۔ ہر طرف سے یہ مطالبہ ہو رہا ہے کہ ماحول کا تحفظ کیا جائے، صاف ستھری فضا کو برقرار رکھنے کے لیے آلودگی پر قابو پایا جائے۔ معروضی غفلت کی وجہ سے انسان کو کسی چیز کی حفاظت کا احساس عام طور پر اس وقت ہوتا ہے جب اس کے وجود اور صحت کو خطرہ لاحق ہو۔ آنکھ میں درد ہوتا ہے تو انسان آنکھ کی فکر کرتا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں تکلیف ہوتی ہے تو انسان مالش اور معالج کی فکر کرتا ہے، ڈاکٹر سے رجوع کرتا ہے۔ غرض یہ کہ اصلاح کی فکر اس وقت ہوتی ہے جب فساد نظر آنے لگتا ہے۔ ماحولیات کی اصلاح اور پاکیزگی کی فکر بھی انسان کو اس وقت ہو رہی ہے جب ماحول میں فساد اور کثافت پھیل گئی ہے اور لوگ اس کی زہرناکی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔

خاتم المرسلین ﷺ کی تعلیمات کی ہمہ گیریت

آج سے چودہ سو برس پہلے نہ تو موٹر گاڑیوں کا وجود تھا اور نہ دیوہیکل کارخانے وجود میں آئے تھے۔ نہ جنگلات فنا ہو رہے تھے اور نہ دریاؤں میں زہر گھل رہا تھا۔ ماحول میں آلودگی تو آج کی طرح رچی بسی ہی نہ تھی۔ چونکہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول تھے جن کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی یا رسول مبعوث ہونے والا نہیں تھا، اس لیے قیامت تک آنے والے تمام حالات وتحدیات (چیلنجز) میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی کی آپ ﷺ کے ذریعے فراہمی ناگزیر تھی۔ ان ہدایات کے بغیر نہ دین مکمل ہوتا نہ ہر انسان کے لیے دینِ اسلام میں پورے کا پورا داخل ہونے کے فریضے کی ادائیگی ممکن ہوتی، جسے اللہ ربّ العزت نے ہر انسان کی دُنیا و آخرت میں کامیابی کا معیار مقرر فرمایا تھا (البقرہ ۲:۲۰۸)۔ اس لیے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ نے انسانیت کو ماحول کو کثافت سے پاک رکھنے اور فضا کو آلودگی

سے محفوظ رکھنے کی جامع تعلیم وتلقین فرمائی۔ اصولی ہدایات‘ مؤثر تعلیمات اور عملی اقدامات‘ تینوں طرح سے ماحول کی پاکیزگی کو یقینی بنایا۔ یہ کائنات انسانوں کے لیے خالقِ حقیقی کی صناعی کا خوب صورت تحفہ ہے اور اس کی تمام جاندار اور بے جان چیزیں انسانوں کے لیے ربّ العزت کی حسین نعمت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کائنات کی خوب صورتی اور تازگی کی حفاظت کی نہ صرف تعلیم دی بلکہ اسے فروغ دینے میں اپنی تمام تر قوت وصلاحیت لگانے کی ضرورت کا احساس دلایا۔ فطرت کے عطیات کو فطری قوانین کے مطابق برتنے کی تلقین فرمائی‘ تاکہ انسان خود بھی ماحول کی پاکیزگی سے لطف اندوز ہوسکے اور دوسرے جانداروں کو بھی راحت پہنچاسکے اور ربِ کریم کا شکرادا کرے:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۶﴾ (المائدہ)

’’اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا‘ لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک صاف کرے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرے تاکہ تم شکرگزار بنو۔‘‘

خالقِ کائنات کے عطیات کا ادراک

رسول اللہ ﷺ نے آسمان وزمین‘ سمندر‘ پہاڑ‘ حیوانات‘ نباتات‘ پرندے‘ جنگلات‘ باغات‘ وادیوں اور آبادیوں‘ سب کچھ کو خالق کائنات کے متوازن نظام کا شاہکار قرار دیتے ہوئے ان کی تخلیق پر غور کرنے‘ ان میں کارفرما ربّ العزت کی حکمتوں کو سمجھنے اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تعلیم فرمائی۔ آپ ﷺ نے انسانوں تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا:

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝۱۶۴﴾ (البقرۃ)

’’بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں‘ رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے جانے میں‘ ان کشتیوں میں جو انسانوں کی نفع رسانی کا سامان لیے سمندر میں چلتی ہیں‘ بارش کے اس پانی میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے اور اس کے ذریعے زمین کو زندہ کردیتا ہے اور ہر طرح کی جاندار مخلوق کو زمین میں پھیلانے میں‘ اور ہواؤں کی

گردش میں اور آسمانوں و زمین کے درمیان مسخر بادلوں میں عقل مند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔‘‘

قرآن حکیم کی اس آیت میں دس چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق براہِ راست ماحولیات سے ہے:

(۱) آسمان (۲) زمین

(۳) دن اور رات یعنی وقت (۴) جہاز رانی

(۵) سمندر کے سینے پر چلنے والے سفینوں میں انسانوں کی نفع رسانی

(۶) بارش (۷) زمین کی روئیدگی‘ کاشت کاری اور شجر کاری

(۸) حیوانات کی زندگی (۹) ہواؤں کی گردش

(۱۰) بادلوں کا فضا میں معلق ہونا

کثیر جہتی ماحولیاتی نظام کے اُن عجائبات اور انسان کے معاشرتی ماحول اور اس کی راحت رسانی کے ساتھ ان کے تعلق کو‘ قرآن پاک میں بار بار مشاہدہ‘ مطالعہ اور سبق آموزی کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ اس آیت میں بھی ان حکمتوں کو سمجھنے اور ان سے استفادہ کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا گیا ہے‘ کیوں کہ اس سے انسانی زیست کے ماحول کی تشکیل ہوتی ہے اور توازن برقرار رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ ربّ العزت کا یہ سبق بھی انسانوں کو ذہن نشین کرایا ہے کہ کائنات کی ان ساری چیزوں کو خاص اہتمام‘ انداز‘ توازن اور اعتدال کے ساتھ بنایا اور سنوارا جانا بامقصد ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مواقع پر کائنات کے نظم و توازن اور اللہ کے مقرر کردہ معیار و مقدار پر غور و فکر کو حق تک رسائی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۹۶﴾﴾ (الانعام)

’’بے شک دانے اور گٹھلی کو (زمین میں) پھاڑنے والا اللہ ہے۔ وہی زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور وہی مُردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ یہ اللہ کے کرشمے ہیں‘ تم کدھر بہکے جا رہے ہو؟ رات کے پردہ سے وہی دن نکالتا ہے اور اسی نے رات کو وجہِ سکون بنایا

ہے اور شمس وقمر کی گردش مقرر کی ہے۔ یہ اسی غالب اور علم رکھنے والے اللہ کے ٹھیرائے ہوئے قوانین ہیں۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۙ﴿۱﴾ الَّذِىۡ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِىۡ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِىۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰى ۙ﴿۴﴾﴾ (الاعلیٰ)

’’اپنے ربّ برتر کی تسبیح کرو‘ جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا۔ جس نے اندازہ مقرر کیا اور راہ دکھائی‘ اور جس نے نباتات اُگائیں۔‘‘

کائنات کا توازن نہ بگاڑیں

ربّ العزت نے جس طرح اپنی تخلیق میں تناسب‘ توازن اور اعتدال کا اہتمام رکھا ہے اس کا تاکیدی حکم ہے کہ بندے بھی اسی طرح اپنے عمل میں اعتدال و توازن رکھیں اور اللہ کے نظامِ تخلیق کا توازن نہ بگاڑیں۔ ربّ العزت کے مقرر کردہ اس توازن کی حکمت کو سمجھنا‘ اسے اپنی عملی سرگرمیوں کے لیے رہنما بنانا‘ اسے اپنی نفع رسانی سے جوڑنا‘ اس سے استفادہ کرنا‘ اس کا توازن برقرار رکھنا‘ اس میں خلل پیدا نہ کرنا‘ انسان کی ضرورت بھی ہے اور ذمہ داری بھی:

﴿اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۙ﴿۵﴾ وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ يَسۡجُدٰنِ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الۡمِيۡزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِى الۡمِيۡزَانِ ﴿۸﴾ وَاَقِيۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِيۡزَانَ ﴿۹﴾ وَالۡاَرۡضَ وَضَعَهَا لِلۡاَنَامِ ۙ﴿۱۰﴾ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَكۡمَامِ ۖ﴿۱۱﴾ وَالۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ وَالرَّيۡحَانُ ۚ﴿۱۲﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾﴾

(الرحمٰن)

’’سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں‘ اور تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں۔ آسمان کو اسی نے بلند کیا اور توازن قائم فرمایا۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو‘ انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔ زمین کو اس نے سب مخلوقات کے لیے بنایا۔ اس میں ہر طرح کے پھل ہیں‘ کھجور کے درخت ہیں‘ جن کے پھل غلافوں میں ہیں‘ ہر طرح کے غلّے ہیں جن میں بھوسا بھی ہے اور دانہ بھی۔ تو اے جنّ و اِنس! تم اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟‘‘

آیت میں شمس و قمر کی گردش کا حساب‘ پیڑ پودوں کی شادابی‘ آسمان کی بلندی‘ زمین کی

تخلیق، غلّے اور پھل پھول کی پیدائش جیسی نعمتوں کو انسان کے سپرد کرنے کے ساتھ یہ ہدایت کی گئی ہے کہ یہ سب کچھ قدرت کے ایک متوازن نظام اور معتدل انتظام کا حصہ ہیں۔ اس نظام میں خلل ڈالنے اور اس حُسن انتظام میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عطیات سے اگر اُسی کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق استفادہ کیا جائے تو یہ اصلاح ہے، اور اگر ان اصولوں سے انحراف کیا جائے تو یہ فساد کا باعث ہے۔ ربّ العزت صرف عطیات ہی عطا نہیں کرتے بلکہ طریقۂ استعمال کی ہدایات بھی دیتے ہیں۔ انسان ان عطیات سے کماحقہٗ استفادہ صرف ربّ العزت کی ہدایات کے مطابق ہی کر سکتا ہے۔

ماحول کا فساد

قرآن مجید میں صاف اور صریح لفظوں میں تاکید کی گئی ہے کہ ماحول میں فساد نہ کرو:
﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾ (الاعراف: ۵۶) ''اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔'' فساد اور اصلاح قرآنِ کریم کی دو اہم اور معنی خیز اصطلاحیں ہیں۔ اصلاح کے معنی اللہ کی تخلیق کردہ فطری ترتیب، نظام اور توازن کے ہیں، یعنی ہر چیز کو اپنی فطری جگہ پر قائم رکھنا، جبکہ فساد کے معنی اس فطری ترتیب اور توازن و نظم میں انتشار، خلل اور بگاڑ پیدا کرنا ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ربّ العزت نے کائنات میں ہر چیز اندازے، قرینے، اہتمام اور اعتدال کے ساتھ رکھی ہے۔ اس میں اپنی بے راہ روی اور بداعمالی سے خلل نہ ڈالو، بگاڑ نہ پیدا کرو۔ اس کا استعمال اپنی خواہش کے مطابق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق کرو۔ ماحول کے اس نظم و توازن کا فائدہ خود انسانوں کو ہوگا اور اگر وہ اس میں بگاڑ پیدا کرے گا تو اس کے نقصانات اور مضر اثرات بھی اسی کو بھگتنے پڑیں گے۔ اس طرح انسان اپنی تباہی کا آپ ہی ذمہ دار ہوگا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۴۱﴾ (الروم)

''خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ اُن کو اُن کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے، شاید کہ وہ باز آجائیں۔''

فساد کا ایک عمومی مطلب تو یہ ہے کہ انسانوں نے اپنے باغیانہ خیالات، سرکشی اور باہم

تنازع وتصادم کر کے زمین میں فساد برپا کرلیا ہے۔ مگر اس آیت کا اہم مصداق ماحول بھی ہے جس کے لیے خاص طور پر زمین کے ساتھ بحر یعنی دریا وسمندر کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے‘ یعنی ماحول میں آلودگی فکر وخیال اور اعمال کی گندگی‘ بداخلاقی اور کج روی کی وجہ سے بھی ہے اور ربّ العزت کے عطیات کے غلط استعمال اور استحصال اور ان میں انسانی کثافتوں کی آمیزش کی وجہ سے بھی ہے۔ ماحول کی آلودگی اسی وقت دُور ہوسکتی ہے کہ انسان اپنے فکر وعمل کا قبلہ درست کرے اور کائنات کے تعلق بارے اپنے رویے میں مثبت تبدیلی لائے۔

قرآن اور خاتم المرسلین ﷺ کی اس اصولی تعلیم کے ساتھ ماحولیات کے متعلق متعین ہدایات بھی انسانوں کو دربارِ نبوت سے ملتی ہیں۔ ماقبل صنعتی عہد میں ماحول کی آلودگی ابتدائی اور سادہ شکل میں پائی جاتی تھی‘ مگر رسول اللہ ﷺ نے ماحول کی آلودگی بارے انسانی شعور کو بیدار کیا اور عملی اقدامات سے متعلق جامع اور واضح ہدایات فرمائیں۔ یہ ہدایات آج بھی ماحولیات کے تحفظ اور پاکیزگی کے لیے رہنما خطوط اور سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

گندگی نہ پھیلائیں

ماحول کے تحفظ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا ایک بنیادی حکم یہ ہے کہ گندگی پھیلانے سے پرہیز کیا جائے‘ خاص طور پر پبلک مقامات کو اس سے بچایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے سایہ دار درخت کے نیچے‘ راستے میں اور مسجد میں گندگی پھیلانے سے منع فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’دو موجبِ لعنت چیزوں سے پرہیز کرو۔‘‘ صحابہ ؓ نے پوچھا: وہ موجبِ لعنت چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے راستے میں اور سایہ میں غلاظت کی جائے۔‘‘ (صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب النهی عن الاستنجاء باليمين)

پبلک مقام کی جامع شکل عہد نبویؐ میں مسجد تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مسجد میں تھوکنے سے بھی منع فرمایا۔ (سنن النسائی، کتاب المساجد، باب البصاق فی المسجد)

قربانی کے دنوں میں بڑی تعداد میں جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ سماجی شعور کی کمی کی وجہ سے قربانی کے فضلات سڑکوں پر اور نالیوں میں بکھرے نظر آتے ہیں۔ گندگی پھیلتی ہے‘ بیماری بڑھتی ہے۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ قربانی کے فضلات کو دفن کر دیا جائے۔ اگر اس ہدایت پر

عمل درآمد ہو تو ماحول کی آلودگی سے بچا جاسکتا ہے۔ شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے ایسے ایندھن کے استعمال سے روکا ہے جس کا دھواں پڑوسی کے گھر میں جاتا ہو۔ فضائی آلودگی سے بچنے کے لیے یہ حکم ایک اصول اور کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے‘ جس کی روشنی میں آج کل کی گاڑیوں اور فیکٹریوں کے دھوئیں کو ضابطہ کا پابند بنایا جاسکتا ہے۔

پاکی اور صفائی کا اہتمام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ماحولیاتی تعلیم و تربیت کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ روح‘ جسم‘ لباس اور مکان کے ساتھ ماحول کی صفائی کا پورا اہتمام کیا جائے۔ مسلمانوں کی صفت یہ بتائی گئی کہ وہ صفائی کا خاص اہتمام کرنے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اہلِ قباء کی یوں تعریف کی گئی:

﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۱۰۸﴾ (التوبة)

’’اس (مسجد قباء) میں وہ لوگ ہیں جو پاکی اور صفائی کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں‘ اور اللہ پاک اور صاف لوگوں سے محبت کرتا ہے۔‘‘

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صفائی کو ایمان کا حصہ قرار دیا اور فرمایا:

((النَّظَافَةُ تَدْعُوْ اِلَى الْاِيْمَانِ وَالْاِيْمَانُ مَعَ صَاحِبِهِ فِي الْجَنَّةِ))

(معجم الاوسط للطبرانی، باب العین، باب المیم من اسمه محمد، حدیث: ۷۴۵۰)

’’صفائی ایمان کی طرف لے جاتی ہے اور ایمان اپنے ساتھی کو جنت میں لے جاتا ہے۔‘‘

ہر انسان جنّت میں جانے کا آرزومند ہے۔ ہر شخص جنّت کی نعمتیں حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے ایمان و عمل سے تیاری کرتا ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس انقلابی تعلیم پر غور کیجیے کہ اگر جنّت میں گھر بنانا چاہتے ہو تو پہلے اپنے ماحول کو پاک صاف کر کے جنّت نشان بناؤ تاکہ تم صحیح معنوں میں جنّت کے حق دار بن سکو۔

قرآن و سنّت کی اس صحت آفریں تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے ماحول کو پاک و صاف رکھنے کی فکر کرے۔ اپنے محلّہ اور بستی میں صفائی کی مہم چلائے اور گندگی جمع نہ ہونے دے۔ وہ یہ بھی دیکھے کہ کہیں اس کی بے توجہی جراثیم کے پھیلنے اور فضائی آلودگی کا سبب تو نہیں بن گئی ہے۔ اس کے گھر کے باہر ایسا کوڑا تو نہیں جمع رہتا ہے جو دوسروں کے لیے اذیت کا سبب

بنے۔ اگر ایسا ہے تو پہلی توجہ صفائی ستھرائی پر دینی چاہیے۔

استعمال کریں، اسراف نہیں

رسول اللہ ﷺ کی ماحولیاتی تعلیم کا تیسرا اہم پہلو بقدرِ ضرورت استعمال کا نظریہ ہے جسے conservation کہا جاتا ہے۔ دُنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے استعمال کے لیے بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ﴾ (الجاثیة)

''اللہ نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں تمہارے (استعمال کے) لیے مسخر کر دی ہیں۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ⑮﴾ (الملک)

''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع بنایا، اس کی راہوں میں چلو، اس کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اسی کی طرف تم کو اُٹھایا جانا ہے۔''

اللہ ربّ العزت نے اپنی نعمتیں انسان کو استعمال کے لیے دی ہیں مگر ان کا استعمال، سلیقہ اور طریقہ سے ہونا چاہیے، بقدرِ ضرورت ہونا چاہیے۔ نہ تو بلا ضرورت ہونا چاہیے اور نہ ضرورت سے زیادہ ہونا چاہیے۔ ماحول میں توازن برقرار رکھنے کے لیے استعمال نہ کہ اسراف۔ اسراف سے بچنے کی حکیمانہ تعلیم ایک خوب صورت تناظر میں اس طرح دی گئی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ⑭١﴾ (الانعام)

''وہ اللہ ہی ہے جس نے طرح طرح کے باغ اور تاکستان اور نخلستان پیدا کیے، کھیتیاں اُگائیں جن سے قسم قسم کے ماکولات حاصل ہوتے ہیں، زیتون اور انار کے درخت پیدا کیے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں۔ کھاؤ ان کی پیداوار، جب کہ یہ پھلیں، اور اللہ کا حق ادا کرو جب اُن کی فصل کاٹو، اور استعمال میں حد سے نہ گزرو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

قرآن کریم میں مزید واضح لفظوں میں تاکید کی گئی ہے کہ:

﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ (الاعراف)

’’اور کھاؤ‘ پیو مگر اسراف (استعمال میں حد سے گزرنا) نہ کرو‘ کیوں کہ اللہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں فرماتا۔‘‘

’’استعمال نہ کہ اسراف‘‘ کے اس بنیادی اصول کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو ماحولیات میں عدم توازن کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہو۔ اس اصول کو موجودہ صورتِ حال میں مسلسل اپنانے سے ماحولیاتی آلودگی اور عدم توازن کا مسئلہ ایک معقول مدت میں حل بھی ہوسکتا ہے۔ پانی‘ جنگلات‘ حیوانات‘ پرندے‘ معدنیات‘ توانائی‘ قدرتی وسائل اور خورونوش اور استعمال کی تمام ضروری اشیاء میں بقدرِ ضرورت استعمال کا اصول تحفظ اور توازن کا ماحول پیدا کرے گا اور انسان جن پریشانیوں میں مبتلا ہے ان سے نکلنے کا راستہ پاسکے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مخاطب حکومت‘ ادارے‘ عوام‘ معاشرہ اور فرد سب ہیں‘ جن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس حکم کی تعمیل کریں۔

پانی کا تحفظ

پانی کو اللہ ربّ العزت کی عطا کردہ نعمتوں اور وسائل میں ایک بنیادی اور نہایت گراں قدر اہمیت حاصل ہے۔ انسانی زندگی بہت حد تک پانی پر منحصر ہے۔ اس کے استعمال میں عدم توازن اور اس میں آلودگی کی وجہ سے انسانی ماحول کو شدید خطرات کا سامنا ہے۔ قرآن کے نقطۂ نظر سے پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہی نہیں بلکہ زندگی کی بنیاد بھی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ﴾ (الانبیاء:۳۰)

’’ہم نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ﴾ (النور:۴۵)

’’اللہ نے ہر جان دار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔‘‘

پانی کو اس کی فطری حالت پر باقی رکھنا اور اس کے استعمال میں سلیقہ کا لحاظ رکھنا انسانوں کی ذمہ داری ہے‘ تاکہ اس سے زندگی بخشنے والی صلاحیت ختم نہ ہوجائے۔ پانی میں رہنے والے جاندار بھی زندہ رہ سکیں اور پانی استعمال کرنے والے انسان وحیوان اور نباتات بھی زندگی پاسکیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ اس وقت وہ وضو کر رہے تھے اور ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''یہ کیسی فضول خرچی ہے؟'' حضرت سعدؓ نے پوچھا: کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں فرمایا: ((نَعَمْ وَاِنْ کُنْتَ عَلٰی نَھْرٍ جَارٍ)) ''ہاں' اگرچہ تم بہتی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ وضو کر رہے ہو۔'' (سنن ابن ماجه، ابواب الطهارة، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء)

خلاصہ یہ ہے کہ پانی کا استعمال بھی سلیقہ سے کیا جائے اور پانی کو آلودگی سے محفوظ بھی کیا جائے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پانی میں غلاظت اور کثافت پھیلانے سے بھی منع فرمایا ہے: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ نَھٰی اَنْ یُبَالَ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کیا جائے۔'' (صحیح المسلم، کتاب الطهارة، باب النهی عن البول فی الماء الراکد)

حیوانات: ماحول کی زینت

حیوانات انسان ہی کی طرح اللہ کی مخلوق اور ہمارے ماحول کا حصہ ہیں۔ یہ انسانوں کی ضرورت اور ماحول کی زینت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہماری خدمت اور نفع بخش استعمال کے لیے بنایا ہے۔ اس لیے ان کی نسلوں کا تحفظ اور ان کی دیکھ بھال کرنا انسانوں کی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (النحل)

''اور جانوروں کو بھی اس نے پیدا کیا۔ ان میں تمہارے لیے پوشاک ہے اور بہت سے فائدے ہیں' اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ جب شام کو انہیں جنگل سے لاتے ہو اور جب صبح کو چرانے لے جاتے ہو تو ان میں تمہاری خوب صورتی ہے۔ اور دُور دراز مقامات جہاں تم شدید محنت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے وہ تمہارے بوجھ کو اُٹھا کر لے جاتے

ہیں۔ بے شک تمہارا ربّ شفیق و مہربان ہے۔ اور اُسی نے گھوڑے‘ خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان کی سواری کرو‘ وہ تمہارے لیے زینت اور رونق بھی ہیں۔ اور وہ پیدا کرتا ہے جس کی تم کو خبر نہیں ہے۔‘‘

یہ آیت وائلڈ لائف کنزرویشن یعنی جنگلی حیات کے تحفظ کے لیے عظیم تحریک فراہم کرتی ہے۔ اس میں جانوروں کی تخلیق‘ ضرورت‘ مقصد اور ماحول کی ان سے زینت کے بہت سے گوشے روشن کر دیئے گئے ہیں۔ ایک ایسے معاشرے میں جس کی معیشت میں گلّہ بانی مرکزی حیثیت رکھتی ہو‘ جانوروں کا صبح کو گھر سے نکلنا‘ چراگاہوں میں جانا اور شام کو واپس آنا ایسا خوش نما منظر پیش کرتا ہے جو انسانوں کی خوشی کا ذریعہ ہے۔

بلاوجہ درخت نہ کاٹیں

پیڑ پودے‘ جنگلات اور باغات ماحول کو سازگار بنانے اور موسم کو معتدل رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ خوش گواری اور خوب صورتی پیدا کرتے ہیں۔ جن علاقوں میں پودے‘ درخت اور باغات کثرت سے پائے جاتے ہیں وہاں انسان راحت اور مسرت محسوس کرتا ہے‘ اور جہاں پیڑ پودے نہیں ہوتے وہاں انسان گھٹن محسوس کرتا ہے۔ اسی لیے سیر و تفریح کے لیے انسان ایسے مقامات کا انتخاب کرتا ہے جہاں کے مناظر دیدہ زیب اور فضا خوش گوار ہو۔ چنانچہ ماحولیات کا تقاضا ہے کہ پیڑ پودے برباد نہ کیے جائیں‘ ورنہ موسمی بلائیں دَر آئیں گی۔

رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ بلاضرورت درختوں کو نہ کاٹا جائے۔ ہرے پیڑ انسان اور حیوانات دونوں کی راحت رسانی کرتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ حدودِ حرم مکہ میں پیڑوں کا کاٹنا اور جانوروں کا مارنا ممنوع ہے۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو فرمایا: ’’جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا اسی طرح مَیں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ نہ تو یہاں پیڑوں کو کاٹا جائے اور نہ جانوروں کو ہلاک کیا جائے۔ ایندھن کی لکڑیاں اور جانوروں کا چارا اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ (نورالدین علی بن احمد السمہودی‘ وفاء الوفا باخبار المصطفیٰ‘ جلد ۱‘ ص ۱۱۱‘ پوربند‘ گجرات)

جنگ میں بہت سی وہ چیزیں اختیار کی جاتی ہیں جو غیر اخلاقی اور غیر انسانی ہوتی ہیں تاکہ دشمن پر قابو پایا جا سکے مگر رسول اللہ ﷺ نے جنگ میں بھی دشمن کے درختوں کو

بلا ضرورت کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔

پیڑ پودے لگائیں

ماحول میں ہریالی موسم کی سازگاری اور انسانوں‘ جانوروں کی نفع رسانی کے لیے بہت ضروری ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے پیڑ پودوں کو لگانے کی اہمیت کا احساس دلایا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا: فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ دَابَّةٌ، إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ))

(صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم - حديث: ۵۶۷۳)

’’جو مسلمان کوئی پیڑ لگاتا ہے یا کاشت کاری کرتا ہے اور اس پیڑ پودے سے انسان‘ پرندے یا جانور کھاتے ہیں تو یہ پیڑ لگانے والے کے لیے صدقہ ہے۔‘‘

شجرکاری کو رسول اللہ ﷺ نے اتنی اہمیت دی ہے کہ قیامت تک اس کام کو کرتے رہنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَ بِيَدِ اَحَدِكُمْ فَسِيْلَةٌ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ لَا يَقُوْمَ حَتّٰى يَغْرِسَهَا فَلْيَفْعَلْ (احمد بن حنبل، المسند، جلد۳، ص ۱۹۱)

’’اگر قیامت کا وقت آجائے اور تم میں سے کسی شخص کے ہاتھ میں کھجور کا پودا ہو اور قیامت کے برپا ہونے سے پہلے وہ اسے لگا سکتا ہو تو اسے ضرور لگا دینا چاہیے۔‘‘

شجرکاری کے ذریعے ماحول کا تحفظ کرنے کی اہمیت بارے اس سے بڑی بات نہیں کہی جا سکتی کہ قیامت برپا ہونے میں چند لمحات باقی ہوں تو بھی اگر انسان ایک درخت لگانے کی مہلت پائے تو اسے اس کو لگا دینا اس کی ذمہ داری ہے۔ جب کسی شخص کو اگلے لمحے دُنیا سے رخصت ہونے کا خیال آتا ہے تو وہ تعمیر و ترقی کے سارے کام بھول جاتا ہے‘ اور بس اپنی نجات کے لیے فکرمند ہوتا ہے‘ مگر رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی کہ مرتے وقت تک ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کرنا بھی آخرت میں سرخرو ہونے کا ذریعہ ہے۔ یہ انقلابی تعلیم آخری رسول ﷺ ہی سے انسانیت کو مل سکتی ہے۔

عملی مثال

رسول اللہ ﷺ دُنیا کے عام قائدین کی طرح محض لوگوں کو زبانی تعلیم ہی نہیں دیتے بلکہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصیت یہ ہے کہ جو کچھ فرماتے ہیں‘ خود اس کی صداقت پر عمل کر کے دکھاتے ہیں۔ چنانچہ ہم متعدد مواقع پر دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ہاتھوں سے پیڑ لگاتے ہیں اور وہ پیڑ برگ و بار بھی لاتا ہے۔

مدینہ سے کوئی ۲۰ میل کی دُوری پر وادیٔ عقیق ہے۔ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے گھوڑوں کے لیے ایک چراگاہ بنائی جسے حمی النقیع کہا جاتا ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیڑ پودے لگوائے‘ سبزیاں لگوائیں۔ کچھ عرصہ بعد اس وادی میں اتنی ہریالی ہوگئی کہ گھوڑے پر سوار ہو کر انسان ان پیڑوں کی چھاؤں میں غائب ہوسکتا تھا۔ اس ہریالی کے باعث یہ صرف گھوڑوں کی چراگاہ نہ رہی بلکہ انسانوں کی سیرگاہ بھی بن گئی۔ اس سیرگاہ کی حدود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس طرح مقرر فرمائی کہ ایک شخص کو کھجور کے پیڑ پر چڑھ کر بلند آواز لگانے کو کہا۔ آواز کی گونج جہاں تک سنائی دی‘ وہاں تک اس کی حدود مقرر ہوئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ علمی اور عملی مثالیں ماحولیات کے تحفظ کے سلسلے میں آج کے دانش مندوں‘ رفاہی اداروں اور ماہرین علوم کے لیے بصیرت اور مہمیز کا کام دیتی ہیں۔

ذمہ داری اور جواب دہی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم کا سب سے اہم حصہ یہ ہے کہ انسان کے اندر ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس پیدا کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نفع بخش چیزوں اور ماحول کی ساری نعمتوں کو ذمہ داری کے ساتھ استعمال کرنے کی تلقین فرمائی ہے‘ جسے اگر پورا نہ کیا گیا تو دُنیا میں چاہے حکومت اور معاشرہ باز پُرس نہ کرے مگر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور ضرور جواب دینا ہوگا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸﴾ (التکاثر)

’’روزِ قیامت ان نعمتوں کے بارے میں تم سے ضرور سوال کیا جائے گا‘‘۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی بقدرِ ضرورت استعمال کے اصول پر عمل پیرا ہو کر مکمل حفاظت کی جائے اور اسراف‘ فساد اور بگاڑ سے بچا جائے۔

(تشکر: ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن‘ جولائی ۲۰۲۵ء)

❁❁❁

تصوّرِ اقامتِ دین

محمد رضی الاسلام ندوی اور محمد اسعد فلاحی کی کتاب کا تجزیاتی مطالعہ

حافظ قاسم رضوان

اُمّتِ مسلمہ کا کوئی فرد ہو یا تحریک‘ اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے نصب العین کی وضاحت قرآن مجید نے مختلف اصطلاحات اقامتِ دین‘ قیامِ عدل وقسط‘ دعوتِ دین‘ شہادتِ حق‘ امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ سے کی ہے۔ اس دور میں یہ عظیم نصب العین طرح طرح کے مغالطوں اور افراط وتفریط پر مبنی مختلف نقطہ ہائے نظر کی زد میں ہے:

(ا) بعض مسلمان مفکّرین اس کی مشروعیت ہی کے منکر ہیں۔

(ب) اسلام کے معترضین اس سوچ کو انتہا پسند سیاسی فکر قرار دیتے ہیں۔

(ج) بعض مسلمان گروہوں میں فکری شدت پسندی ہے‘ جو اس نصب العین کی غلط تعبیر وتشریح کر کے اس بارے میں غلط فہمیوں کا ذریعہ بنتی ہے۔

(د) عوام کی ایک کثیر تعداد کے نزدیک یہ مقصد محض ایک جذباتی نعرہ ہے۔ وہ نہ اس کے عملی تقاضوں کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی مختلف مراحل میں مطلوبہ جدّوجُہد کی حکمت عملی کا ان کو فہم ہے۔

زیرِ مطالعہ کتاب ان چاروں پہلوؤں سے اس عظیم الشان نصب العین پر روشنی ڈالتی ہے۔ یہ اس مقصد کی مشروعیت کو کتاب وسُنّت کے واضح دلائل سے ثابت کرتی ہے اور اس پر ہونے والے اعتراضات کے معقول جوابات بھی دیتی ہے۔ نیز اس کے مطالعہ سے اقامتِ دین کی مطلوبہ حکمتِ عملی، عملی تقاضے اور مرحلے بھی واضح ہوتے ہیں۔

کتاب کے تین ابواب ہیں۔

۱) اقامتِ دین کی فرضیت

’’اقامتِ دین کا حکم اور ذمہ داری‘‘ از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ اس کی بنیاد سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِيۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰۤى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ﴾

’’اُس (اللہ) نے آپؐ کے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا' اور جسے (اے نبی ﷺ!) اب آپ کی طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے' اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ' موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں' اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔‘‘

یہ آیت دین اور اس کے مقصود کو ذہن نشین کرنے کے لیے بڑی اہم ہے' اس لیے اس کو سمجھنا ضروری ہے۔

شَرَعَ لَكُمۡ (مقرر کیا تمہارے لیے) کے لغوی معنی راستہ بنانے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کا مفہوم طریقہ' ضابطہ اور قاعدہ مقرر کرنا ہے۔ عربی میں اسی اصطلاحی معنی کے لحاظ سے تشریع کا لفظ قانون سازی کا' شرع اور شریعت کا لفظ قانون کا اور شارع کا لفظ واضعِ قانون کا اہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا مالک' انسان کا حقیقی ولی اور اس روئے ارضی کا حاکم ہے' اس لیے اُسی کا حق بنتا ہے کہ وہ انسان کے لیے قانون وضابطہ بنائے۔

مِّنَ الدِّيۡنِ (از قسم دین) اور شاہ ولی اللہؒ کے بقول ’’از قسم آئین‘‘۔ یعنی خدائی تشریع کی نوعیت آئین کی ہے۔ لفظ دین کا مفہوم کسی کی حاکمیت کو تسلیم کر کے اس کی اطاعت کرنا ہے۔ ’’طریقے‘‘ کے معنی میں اس سے مراد وہ طریقہ ہوتا ہے جسے بندہ واجب الاتباع اور اس کے بنانے والے کو مطاع مانے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا طریقہ اس کے بندوں کے لیے واجب الاطاعت قانون ہے اور اس کا انکار کرنا اللہ کی بندگی کا انکار کرنا ہے۔

اس سے آگے فرمانِ الٰہی ہے کہ یہ طریقۂ دین وہی ہے جس کی ہدایت حضرات نوح' ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دی گئی اور اب اسی کی ہدایت حضرت محمد ﷺ کو دی گئی ہے۔ آیت کے اس

حصے سے کئی نکات سامنے آتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دین اور تشریع کو ہر انسان کے پاس نہیں بھیجا بلکہ اپنے وقت مقررہ کے مطابق کسی شخص کو اپنا نبی مقرر کر کے اس کی طرف یہ دین بھیجا۔ دوسرے‘ یہ دین اور تشریع شروع سے ہی یکساں رہے ہیں۔ تیسرے‘ خدائے بزرگ و برتر کی حاکمیت اعلیٰ ماننے کے ساتھ ان لوگوں کی نبوت و رسالت کا ماننا بھی لازم ہے جن کے ذریعے یہ دین بھیجا گیا‘ اور اس وحی پر بھی یقین رکھنا ضروری ہے جس کے ذریعے یہ دین اور تشریع بیان کیے گئے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ (کہ قائم رکھو دین کو)۔ اقامت کا معنی قائم کرنا بھی ہے اور قائم رکھنا بھی۔ انبیاء و رُسل ؑ کے ذمے یہ دونوں کام تھے۔ پہلا یہ کہ جہاں یہ دین قائم نہیں‘ اسے قائم کریں اور دوسرا یہ کہ جہاں یہ دین قائم ہو جائے یا پہلے سے قائم ہو‘ اسے قائم رکھیں۔ اب دو اہم سوال ہیں: دین کو قائم کرنے سے کیا مراد ہے؟ اس دین سے کیا مراد ہے جس کے قائم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟

قائم کرنے کا لفظ جب کسی مادی یا جسمانی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد بیٹھے کو اٹھانا یا کھڑا کرنا وغیرہ ہوتا ہے۔ البتہ جو چیزیں مادی نہیں بلکہ معنوی ہوتی ہیں‘ ان کے لیے قائم کرنے سے مراد محض تبلیغ کرنا نہیں بلکہ اس پر مکمل عمل کرنا‘ اسے پھیلانا اور اسے عملاً نافذ کرنا ہوتا ہے۔ جب قرآن مجید میں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ نماز قائم کرو تو اس سے مراد نماز کی محض دعوت و تبلیغ نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ نماز کو نہ صرف خود ادا کیا جائے بلکہ ایسا نظام رائج ہو کہ تمام اہلِ ایمان نماز پڑھیں۔ نبیوں اور رسولوں کو جب دین قائم کرنے اور قائم رکھنے کا حکم دیا گیا تو اس سے مراد صرف یہ نہ تھی کہ وہ خود اس دین پر عمل کریں‘ دوسروں کو بس اس کی تبلیغ کریں اور وہ دین کا برحق ہونا تسلیم کر لیں‘ بلکہ پوری ذمہ داری یہ تھی کہ جب لوگ اسے تسلیم کر لیں تو آگے بڑھ کر مکمل دین کا نفاذ کیا جائے۔

اب دوسرے سوال کو دیکھیں! کچھ لوگوں نے غور کیا کہ دین کو قائم کرنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے‘ وہ تمام انبیاء و رُسل ؑ کے درمیان مشترک ہے جبکہ شریعتیں ان سب کی مختلف رہی ہیں‘ جیسے کہ سورۃ المائدۃ میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا ؕ﴾ (آیت ۴۸) ’’ہم نے تم میں سے ہر اُمّت کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ مقرر کر دی۔‘‘ اس

سے وہ لوگ اس رائے پر قائم ہوئے کہ اس دین سے مراد شرعی احکام وضوابط نہیں‘ بلکہ صرف توحید و آخرت اور کتاب و نبوت کا یقین اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے‘ یا پھر زیادہ سے زیادہ وہ بڑے بڑے اخلاقی اصول اس میں شامل ہیں جو سب شریعتوں میں مشترک رہے۔ یہ ایک بڑی سطحی سی لیکن خطرناک رائے ہے‘ کیونکہ جب شریعت دین سے الگ چیز ہے اور حکم صرف دین کو قائم کرنے کا ہے نہ کہ شریعت کو‘ تو پھر اس رائے کے حامل مسلمان شریعت اور اس کی اقامت کو غیر مقصود سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے اور صرف ایمانیات اور اہم اخلاقی اصولوں کو ہی مقصود بالذات سمجھ بیٹھیں گے۔ جب کہ قرآن کریم کا حکم تو یہ ہے:

▶ ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۵ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ⑤﴾ (البینۃ)

’’اور ان کو حکم نہیں دیا گیا مگر اس بات کا کہ یک سُو ہو کر اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے اُس کی عبادت کریں‘ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں‘ اور یہی راست رو ملت کا دین ہے۔‘‘

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ اس دین میں شامل ہیں‘ حالانکہ ان کے احکام مختلف شریعتوں میں مختلف رہے۔ اختلافِ شرائع کے باوجود اللہ کے ہاں ان دونوں کا شمار دین میں ہے۔

▶ ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ﴾ (التوبۃ:۲۹)

’’جنگ کرو ان لوگوں سے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے‘ اسے حرام نہیں کرتے (سمجھتے) اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔‘‘

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کے ساتھ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے حلال و حرام کے احکامات کو ماننا اور ان پر عمل پیرا ہونا بھی دین کا حصہ ہے۔ دیگر شرعی احکامات جن کی خلاف ورزی پر اللہ کے عذاب اور جہنم میں داخلے کی وعید سنائی گئی ہے‘ ان کا شمار بھی لازمی طور پر دین میں ہی ہونا چاہیے۔ اگر دینِ الٰہی نیک اعمال پر جنت کے داخلے اور برے اعمال پر نارِ جہنم اور عذابِ خداوندی سے بچانے کے لیے نہیں آیا تو پھر آخر کس چیز اور کام کے لیے آیا ہے؟

یہ ساری غلط فہمی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ آیت قرآنی ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً

﴿وَّمِنۡهَاجًا ؕ﴾ کا غلط مطلب لے کر یہ معنی پہنا دیے گئے ہیں کہ شریعت چونکہ ہر اُمت کے لیے الگ تھی اور حکم تو اس دین کے قائم کرنے کا دیا گیا ہے جو تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام کے درمیان مشترک تھا۔ اس کے نتیجے میں ''اقامتِ دین'' کے حکم میں ''اقامتِ شریعت'' شامل ہی نہیں ہے۔ اگر سورۃ المائدۃ میں اس آیت کے سیاق و سباق کو آیت ۴۱ سے آیت ۵۰ تک پوری یکسوئی سے پڑھا جائے تو پتہ چلے گا کہ جس نبی یا رسول کی اُمّت کو جو شریعت بھی اللہ تعالیٰ نے دی تھی، وہ اس اُمت کے لیے دین تھی اور اُس دور میں اسی کی اقامت مطلوب تھی۔ اب چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دورِ رسالت ہے، اس لیے اُمّتِ محمدیہؐ کو جو شریعت دی گئی ہے، وہی اس دور کا دین ہے اور اس کا قائم کرنا ہی گویا دین کا قائم کرنا ہے۔ شریعتوں کے اختلاف کا بھی معنی یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعتیں باہم متضاد تھیں، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی جزئیات میں متعلقہ حالات کے حوالے سے فرق اور اختلاف رہا ہے۔

اقامتِ دین کا مکمل کام غلبۂ دین کے بغیر محال ہے اور یہ فریضہ بھی اُمّتِ مُسلمہ کے ذمے ہے۔ نزولِ قرآن کا ایک مقصد یہ بھی ہے: ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ ؕ﴾ (النساء: ۱۰۵) ''ہم نے (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) یہ کتاب حق کے ساتھ آپ کے اوپر نازل کی ہے، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اس روشنی میں جو اللہ نے آپ کو دکھلائی ہے۔'' دراصل قرآن مجید کے بہت سے احکامات اور دین اسلام کے ایک بڑے حصے پر اسی صورت عمل پیرا ہوا جا سکتا ہے جبکہ اہلِ ایمان کی ریاست اور حکومت قائم ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اقامتِ دین کا حکم دینے کے بعد آخری بات متذکرہ بالا آیت میں فرمائی ہے: ﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دین میں اپنی طرف سے کوئی ایسی جداگانہ اور نرالی بات نکال لے جس کی قرآن وحدیث کی روشنی میں کوئی گنجائش نہ ہو۔ یہ باتیں کئی طرح کی ہو سکتی ہیں۔ جیسے کہ دین میں جو بات تھی ہی نہیں، وہ اس میں شامل کر دی جائے، یا پھر جو بات دین میں شامل تھی، اسے باہر نکال دیا جائے۔ دین کی بنیادی باتوں میں باطل تاویلات کی جائیں۔

سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ میں اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ کا جو ٹکڑا آیا ہے، اس کے مستند تراجم کی روشنی میں ''دین قائم کرو'' کا ترجمہ بالکل درست ہو گا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف دین قائم کر دینا ہی فرض نہیں بلکہ اس کو قائم رکھنا بھی لازم ہے۔ یہ بات تو دائرۂ عقل سے باہر ہے کہ ''دین

قائم کرو‘ کا حکم دیے بغیر ذاتِ خداوندی ’’دین قائم رکھو‘‘ کا حکم کیسے دے سکتی ہے!

کیا دِیْن سے مراد صرف ’’ایمانیات‘‘ ہیں؟ قدیم و جدید مفسّرین نے اس لفظ کا اطلاق صرف ایمانیات پر کیا ہے‘ جن میں تمام شریعتوں کا اتحاد ہے‘ دیگر اختلافی چیزوں کو شامل نہیں کیا گیا۔ اس سوال کے جواب میں مختلف مفسّرین کے حوالے سے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ جمہور مفسّرین نے دین کے مفہوم میں توحید اور ایمانیات کے ساتھ اطاعتِ الٰہی کو بھی شامل کیا ہے اور اس کا اطلاق ان تمام اعمال پر کیا ہے جس کی انجام دہی بطور مسلمان لازم ہے۔

کیا دین اور شریعت کے درمیان کوئی تعلق ہے؟ کیا دین پر عمل ایک چیز ہے اور شریعت پر عمل کوئی دوسری چیز؟ کیا شریعت پر عمل دین پر عمل کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا؟ جواب یہ ہے کہ ہر اُمّت ان ’’فروعِ دین‘‘ پر عمل کی پابند ہے جس کا اسے مکلف کیا گیا ہے۔ یعنی ہر اُمّت پر اپنی شریعت کی پابندی لازم ہے۔ اگر وہ اپنی شریعت پر عمل کرتی ہے تو گویا وہ اپنے دین پر عمل کر رہی ہے۔ اسی بنا پر بعض مفسرین نے یہ وضاحت کی ہے کہ سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ میں اقامتِ دین کے حکم کا مطلب دین اسلام کے سب اصول اور فروع پر عمل کرنا ہے۔

۲) اقامتِ دین: تقاضے‘ طریقِ کار‘ حکمتِ عملی

اس باب سے ایک اہم مضمون ’’اقامتِ دین اور اس کے عملی تقاضے‘‘ از پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد کا خلاصہ ملاحظہ کریں۔

اکثر ایک سوال سامنے آتا ہے کہ: اقامتِ دین کی اصطلاح کہاں سے آ گئی؟ یہی بنیادی انتشارِ فکر ہے جو آگے چل کر یہ سمجھانے پر تُل جاتا ہے کہ نہ صرف مذہب اور سیاسی سرگرمی دو علیحدہ چیزیں ہیں‘ بلکہ اس سے بڑھ کر روحانیت و للّٰہیت اور معاشرتی و سیاسی تگ ودو اور کاوشیں دو بالکل مختلف بلکہ متضاد چیزیں ہیں۔ ایسے افراد کے نزدیک صحیح مذہبیت اور روحانیت یہ ہو سکتی ہے کہ انسان ریاستی اور خاندانی جھمیلوں سے بچ کر ہی رہے اور تقویٰ کا دامن پکڑ کر اپنے ربّ سے لو لگائے رکھے۔ جب کہ اقامتِ دین کا حکم تو ہمیں قرآن مجید نے دیا ہے۔ اُمّتِ مُسلمہ کو یہ ذمہ داری دیتے ہوئے سورۃ البقرۃ میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی: ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا ؕ﴾ (آیت ۲۸۶) ’’اللہ تعالیٰ کسی جان کو اُس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔‘‘ اس سے ہمیں یہ راہنمائی بھی ملتی ہے کہ اگر مسلمان کسی ایسے ملک میں رہ رہے ہوں جہاں مذہبی

آزادی کے اصول پر وہ دین کی دعوت تو پیش کر سکتے ہوں لیکن تبدیلیٔ اقتدار ان کے اختیار میں نہ ہو‘ تو پھر اقامتِ دین کے حوالے سے ان کی ذمہ داری اور اُخروی جواب دہی اس حد تک ہی ہوگی جس حد تک انہیں کوشش اور عمل کی آزادی ہے۔ البتہ اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہوگا کہ وہ دین اسلام کو صرف انفرادی زندگی تک محدود کر کے اسے ایک روحانی مذہب بنا دیں۔

اقامتِ دین کا مفہوم ہی تمام جھوٹے خداؤں اور حاکموں کی جگہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی حاکمیت قائم کرنا ہے۔ سورۃ الحج میں اہلِ ایمان کی تعریف یوں کی گئی ہے:

﴿اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۱﴾﴾

’’یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم اگر زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے‘ اور زکوٰۃ دیں گے‘ اور نیکی کا حکم دیں گے‘ اور برائی سے روکیں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔‘‘

سورۃ المائدۃ میں فرمایا گیا:

﴿وَ مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ ...... فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۵﴾ ...... فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۷﴾﴾

’’اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ فرمان اور قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں‘ پس وہی کافر ہیں...... وہی ظالم ہیں...... وہی فاسق ہیں۔‘‘

اقامتِ دین کے پہلے مرحلے میں شعوری طور پر اسلام لانا‘ توحید خالص کا ذہن میں بٹھانا‘ نیز اپنے افکار و نظریات کی پاکیزگی اور صفائی شامل ہے۔ یہ مرحلہ طویل ہے‘ کچھ برسوں کی بات نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پوری منصوبہ بندی کے ساتھ تطہیرِ افکار کا فریضہ وہ لوگ سرانجام دیں جو نہ صرف پورے تحریکی ادب بلکہ قرآن و حدیث اور سیرتِ طیبہ سے براہِ راست واقف ہوں۔ اپنی دعوت کو مؤثر انداز میں پیش کر سکیں اور ان کی اپنی سیرت بھی ان کی دعوت کا پورا عکس ہو۔

دوسرے مرحلے میں اپنے خطے کے زمینی حقائق کے مطابق اقامتِ دین کے لیے تحریکی حکمت عملی بنانی پڑے گی۔ اصلاح کا آغاز جب تک اپنے آپ اور اپنے گھر سے نہیں شروع ہوگا‘ بات نہیں بنے گی۔ اسلامی گھرانہ اور اسلامی معاشرت کا آغاز ہمیں گھر سے کرنا پڑے گا اور پھر یہ

آگے خاندان اور معاشرے تک پھیلتا چلا جائے گا۔ اس محنت کے نتیجے میں جو صالح افراد کا مجموعہ سامنے آئے گا' اسے ترجیحات کے مطابق مختلف سرگرمیوں مثلاً حلقہ ہائے دروسِ قرآن' اسلامی مطالعہ مراکز' مختلف اسلامی عنوانات پر مذاکرے' دعوتی ملاقاتوں اور مختلف معاشرتی و فلاحی خدمات میں جوڑنے کا سلسلہ اور ساتھ ہی خود احتسابی کا نظم بھی قائم کرنا ہوگا۔ جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں' وہاں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وہ اتنی سعی و جُہد کے بہرحال مکلف ہیں' جتنی ان کے دائرۂ اختیار میں ہو۔

۳) اقامتِ دین پر اعتراضات کا جائزہ

اس باب سے ایک اہم مضمون ''اقامت و اعلائے دین کے تصور پر اعتراضات کا جائزہ'' از مولانا گوہر رحمٰن کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

جاوید احمد غامدی کا اپنی کتاب ''برہان'' میں یہ نقطہ نظر ہے کہ اقامتِ دین دینی فریضہ نہیں ہے اور اعلائے دین کی آیات کا تعلق بس سرزمین عرب کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اس کا حکم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہی خاص ہے۔ اب قیامت تک کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان آیات کا تعلق اپنی جِدّ وجُہد کے ساتھ قائم کرے۔

اقامتِ دین کے مفہوم میں ''دین کو قائم رکھو'' کے علاوہ ''دین کو قائم کرو' دین کو نافذ کرو' دین کو جاری کرو'' بھی آسکتا ہے۔ جاوید احمد غامدی کا کہنا ہے کہ ''نافذ کرو'' کے معنی نکل سکتے تھے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اوّلاً قواعد عربی کی رو سے عَلٰی فُلَانٍ یا عَلَی النَّاسِ کی صورت میں ایک متعلق کا موجود یا مقدر ہونا ضروری ہے' جو نہ آیت میں موجود ہے اور نہ مقدر ماننے کے لیے کوئی قرینہ پایا جاتا ہے۔ ثانیاً یہ معنی 'لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ' کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے۔

''اس میں اختلاف وتفرقہ نہ ڈالو' کے ساتھ تو مناسبت دونوں ترجموں کی صورت میں نکل سکتی ہے۔ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو' بلکہ سب اس پر مجتمع ہوں یا دین کو قائم کرو' جاری کرو' اس میں تفرقہ نہ ڈالو' بلکہ سب اس پر مجتمع و متحد رہو' دونوں صورتوں میں کوئی بھی بے ربطی اور عدم مناسبت محسوس نہیں ہوتی۔ نافذ کرنے کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تفرقہ نہ ڈالا جائے اور قائم ودائم رکھنے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تفرقے میں نہ پڑا جائے۔ متعلق کے موجود نہ ہونے کی دلیل اگرچہ بظاہر درست ہے' لیکن عین ممکن ہے کہ سیاق و سباق کے لحاظ سے یہاں عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ وَعَلٰی

اُمَمِکُمْ مقدر ہو یعنی اس دین کو اپنے اوپر بھی اور اپنی اُمتوں پر بھی نافذ اور جاری کرو۔

باقی رہا قرینہ کا سوال‘ تو سیاقِ کلام انبیائے کرام کے بارے میں ہے اور انبیاء کا تو کام ہی یہ ہے کہ خود بھی اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کریں اور جن کی طرف بھیجے گئے ہیں‘ ان سے بھی عمل کروائیں۔ اس اعتبار سے ’’قائم کرو‘‘ کے معنی کی بھی گنجائش ہے۔ قائم ودائم اور جاری رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس دین پر ہمیشہ کے لیے تسلسل کے ساتھ عمل کرو۔ محفوظ اور برقرار رکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کو اپنی اصلی حالت میں برقرار رکھو۔ نیز بدعتی‘ گمراہ اور کجی پن والے لوگوں کی بدعت و جدّت سے اس دین کی حفاظت کرو۔ ’’اختلاف نہ کرو اس میں‘‘ سے مراد یہ ہے کہ اس کو مکمل طور پر ماننے اور اس کو اپنی زندگی کا پورا دستور العمل بنانے میں اختلاف میں نہ پڑ جاؤ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی ’’ازالۃ الخفاء‘‘ میں خلافتِ اسلامیہ کا مقصد اقامتِ دین (دین کو قائم کرو) قرار دیا ہے۔ پھر وہ کام بتائے ہیں جن کے ذریعے دین قائم ہوتا ہے اور ان کے بغیر خلافت کا مقصد (اقامتِ دین) پورا نہیں ہوسکتا۔ ان کاموں میں علومِ دینیہ کا احیاء‘ ارکانِ اسلام کو قائم رکھنا‘ جہاد اور اس سے متعلق افواج کی تربیت و تنظیم‘ لڑنے والوں کے لیے گھوڑوں (اسلحہ وغیرہ) کا اہتمام‘ مالِ فے کی تقسیم‘ قضاء کا قیام‘ حدود (اسلامی) کا نفاذ‘ مظالم کا خاتمہ (امن وامان کا قیام)‘ امر بالمعروف ونہی عن المنکر شامل ہیں۔ خلافتِ اسلامیہ یہ سارے کام اقامتِ دین کے لیے رسول اللہ ﷺ کی نیابت کرتے ہوئے انجام دے گی۔

اقامتِ دین آیا دینی فریضہ ہے یا نہیں؟ جاوید احمد غامدی نے ’’برہان‘‘ میں اقامت کے جو لغوی معنی بیان کیے ہیں اور ’اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ‘ کا جو مفہوم بتایا ہے‘ وہ تو مفسرین کی تحقیق کے مطابق ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس لغوی تحقیق اور ’’قائم رکھنے‘‘ کا ترجمہ کرنے سے وہ یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ اقامتِ دین تو دینی فریضہ نہیں ہے اور اسے فریضہ قرار دینا اپنی طرف سے دین میں ایک فرض کا اضافہ ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو حکم دیا کہ پورے دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو‘ تو گویا پورے دین کو قائم رکھنا صرف ایک فریضہ ہی نہیں بلکہ فریضۂ جامعہ اور اُمّ الفرائض ہے۔ غامدی مکتب فکر کی دلیل یہ ہے کہ دین کے احکام ’الدِّین‘‘ میں شامل ہیں مگر ’’اَقِیۡمُوۡا‘‘ کے مفہوم میں شامل نہیں ہیں‘ اس لیے اقامتِ دین فرض نہیں ہے۔ یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے واضح حکم دیا ہے کہ پورے دین کو قائم رکھو‘ تو پھر

یہ ’’قائم رکھنا‘‘ کیوں فرض نہیں ہے!

فقہاء نے فرض کی تعریف یوں کی ہے کہ مَا ثَبَتَ بِدَلِیلٍ قَطعِیٍ لَا شُبهَةَ فِیهِ ’’وہ حکم جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔‘‘ ’اَقِیمُوا‘ تو امر قرآنی ہے جس کا قطعیَ الثبوت ہونا شک وشبہ سے بالا ہے اور اس کی اپنے مفہوم پر دلالت بھی قطعی ہے۔ تو پھر خود فہم سلیم سے فیصلہ کیجیے کہ قطعی الدلالۃ امر قرآنی سے ثابت شدہ حکم اگر فرض نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ جاوید احمد غامدی کا اس کے جواب میں کہنا ہے کہ اقامتِ دین فرض نہیں بلکہ ہدایت ہے‘ جبکہ فرض بھی تو ہدایت ہوتی ہے۔ ہدایت کہنے سے اگر دینی ہدایت میں اضافہ نہیں ہوتا تو پھر فرض کہنے سے دینی فرائض میں اضافہ کیسے ہو گیا؟ جاوید غامدی کی بات کا تو یہ مفہوم بنتا ہے کہ دین فرض ہے اس لیے کہ احکام وفرائض دین کے مفہوم میں شامل ہیں‘ مگر دین پر عمل کرنا فرض نہیں اس لیے کہ احکام وفرائض عمل کے مفہوم میں شامل نہیں ہیں۔ ایسی بات کی معقولیت ومعنویت کا سمجھنا عقل و فہم سے بالاتر کوئی اور ہی معاملہ ہے۔

اسی ذیل میں سید سعادت اللہ حسینی نے اپنے مضمون ’’اقامتِ دین پر چند اعتراضات کا جائزہ‘‘ میں مولانا وحید الدین خاں کی کتاب ’’تعبیر کی غلطی‘‘ میں اقامتِ دین کے تصور پر اٹھائے گئے نکات کا علمی جواب دیا ہے۔ اس کتاب میں مولانا وحید الدین نے اقامتِ دین کے تصور پر جو اعتراضات کیے ہیں‘ وہ مختصراً درج ذیل ہیں:

(ا) سورۃ الشوریٰ کی متعلقہ آیت ۱۳ میں دین کا مطلب‘ دراصل دین کا وہ حصہ ہے جو تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی دعوت میں مشترک ہے۔ یہ حصہ صرف اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید‘ رسالت اور آخرت تک محدود ہے۔ اب آیت میں اسی کے قیام یعنی اس کی پیروی اور دعوت کا حکم دیا گیا ہے۔

(ب) سورۃ الصّف کی آیت ۹ میں (یہی مضمون سورۃ التوبہ کی آیت ۳۳ اور سورۃ الفتح کی آیت ۲۸ میں بھی آیا ہے) کوئی حکم یا ہدایت نہیں دی گئی بلکہ یہ صرف خبر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دین اسلام کو اپنے نبی اور رسول کے ذریعے کلی غالب کرے گا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کا اظہار ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے کوئی حکم نہیں ہے کہ وہ اس جِدّ وجُہد میں عملاً شریک ہوں۔

(ج) بندے اور اللہ ربّ العزت کے درمیان تعلق کو مضبوط کرنا ہی دین کا بڑا مقصد ہے اور یہی ایک مسلمان کا نصب العین ہونا چاہیے۔ ایک مسلمان کو دین پر عمل کرنا اور اسی کی دعوت پیش کرنی چاہیے۔ حکومت یا نظام کی تبدیلی کے لیے جدّ وجُہد اور محنت کرنا اس کا کام ہی نہیں ہے۔

مولانا وحید الدین یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ دین کا تعلق زندگی کے تمام معاملات سے ہے' لیکن ان کا اصرار اس بات پر ہے کہ سورۃ الشوریٰ کی متعلقہ آیت میں جس دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اس کا مطلب صرف ایمانیات ہے اور مفسرین نے بھی اس کا یہی مفہوم لیا ہے۔ یہ مکمل صحیح بات نہیں ہے۔ جن مفسرین نے بھی اس حوالے سے ایمانیات اور بنیادی باتوں کا ذکر کیا ہے' اس کے ساتھ انہوں نے اللہ کی اطاعت کو بھی دین کے مفہوم میں شامل کیا ہے۔ اس اطاعت خداوندی میں تو دین اسلام کے تمام احکامات آ جاتے ہیں۔

اس آیت میں ﴿وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ﴾ ''اور جس کی ہم نے (اے نبی ﷺ!) آپ کی طرف وحی کی ہے'' کا ٹکڑا بھی شامل ہے۔ اس میں خود بخود وہ سارے احکام آ جاتے ہیں جو حضورِ اقدس ﷺ پر نازل ہوئے۔ گویا مسلمانوں پر شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پوری پیروی اور اقامت اس آیت کی رو سے لازم ہوگی جو انہیں آنحضرت ﷺ کے ذریعے عطا کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس متعلقہ آیت میں دوسرے انبیاء کے ادیان کا ذکر اسم موصول عام کے ذریعے کیا گیا ہے لیکن حضورِ اکرم ﷺ کے دین کا ذکر اسم موصول خاص (الَّذِیْٓ) کے ذریعے کیا گیا ہے۔ یہاں دینِ اسلام اور قیامِ دین کے حکم کو صرف عقائد و ایمانیات تک محدود کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

اس کے ساتھ یہ کہنا کہ مؤمن کا نصب العین رضائے الٰہی ہے اور قیامِ دین کی جدّ وجُہد دین کا تقاضا تو ہو سکتا ہے' نصب العین نہیں ہو سکتا' یہ محض الفاظ اور طرزِ بیان کا فرق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل محرک اور حتمی ہدف تو رضائے الٰہی ہی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ایک خاص قسم کی جدّ وجُہد پر منحصر ہے' جس کا ہدف پھر اقامتِ دین ہی ہونا چاہیے۔ آپ اگر رضائے الٰہی کے حصول کو نصب العین قرار دیں اور اقامتِ دین کو اس کی ضرورت اور تقاضا سمجھیں' تو الفاظ کی اس تبدیلی سے کوئی عملی فرق واقع نہیں ہوتا۔ دین کی اقامت اس صورت میں بھی بہرحال ایک فریضے کے طور پر باقی رہتی ہے۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو صرف نحوی اور لغوی کتب سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اللہ کی کتاب نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی اور اس کی تشریح بھی آپ ﷺ کے فرائض میں شامل ہے۔ الفاظِ قرآنی اور اوامرِ قرآنی کی جو وضاحت نبی کریم ﷺ نے فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتائی' وہی دین ہے۔ علمی تحقیق یا مزید وضاحت کی خاطر صرف ونحو یا ادب جاہلی سے مدد لی جا سکتی ہے لیکن صرف ونحو پر ہی نظر رکھتے ہوئے حکم ثابت کرنا اور حضورِ اقدس ﷺ کے ارشادات' آپؐ کی سیرت' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات اور سلف کے طرزِ عمل سے صرفِ نظر کرنا علمی و دینی بددیانتی بھی ہے۔

''اقامتِ دین'' کی اصطلاح بالکل صاف اور واضح ہے کہ اس کا وہی مفہوم ہمارے لیے دینی حُجّت ہو گا جو کہ حضورِ اقدس ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو اور سلف نے بعینہٖ ہمیں پہنچایا ہو۔ وہ یہی ہے کہ اپنی استطاعت اور دائرۂ کار کے اندر دین اسلام کو قائم کرنے کی لازمی کوشش کرنا۔ اب یہ نکتہ آفرینی کرنا کہ دینی احکامات الدِّین میں تو شامل ہیں' اَقِیمُوا میں نہیں' یا یہ کہ الدِّین سے مراد صرف ایمانیات ہیں جو سارے نبیوں میں مشترک ہیں' یا یہ کہ اقامتِ دین تو دین کا تقاضا ہے' سارے مسلمانوں پر فرض نہیں وغیرہ' یہ صرف انا کا مسئلہ اور علمی کٹ حجتی ہے جبکہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات گہری توجہ چاہتی ہے کہ ہم تک سارا دین نبی اکرم ﷺ' حضراتِ صحابہؓ اور سلف صالحین کے ذریعے پہنچا ہے۔ اب اگر ہم صحابہ یا سلف کا انکار کرتے ہیں تو گویا دین کے ہی منکر ہیں اور ہمیں اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔

اس کتاب کا تعلق ایک اہم دینی فریضے سے ہے اور یہ بہت خوب صورت انداز سے اعلیٰ کاغذ پر چھپی ہے۔ اسے نہ صرف ہر لائبریری بلکہ ہر گھر کی بھی زینت ہونا چاہیے۔ اسے منشورات' ملتان روڈ' لاہور نے شائع کیا ہے جبکہ قیمت ۱۰۰۰ روپے ہے۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

قومِ لوط کے مدفن پر ’’پرائڈ لینڈ‘‘

رانا عرفان علی

ایک گمشدہ تہذیب کی آخری رات: ہم جنس پرستی کا آغاز

ایک پُر رونق شام تھی۔ سر سبز و شاداب باغیچے‘ چمکتے ہوئے محل اور دولت کی فراوانی۔ سدوم اور عمورہ کی بستیوں میں زندگی عروج پر تھی۔ وہاں کے لوگ اپنے وقت کے امیر ترین تاجر تھے‘ جن کے پاس مادی آسائشوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ البتہ اس ظاہری چمک دمک کے نیچے ایک ایسا اخلاقی سڑاند چھپا تھا جس نے پوری انسانیت کا سر شرم سے جھکا دیا۔ یہ وہ بدبخت لوگ تھے جنہوں نے انسانی تاریخ میں پہلی بار ’’ہم جنس پرستی‘‘ (Homosexuality) اور بدفعلی جیسے گھناؤنے اور غیر فطری گناہ کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو بدل ڈالا۔ اپنی پاکیزہ بیویوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ علانیہ جنسی تسکین حاصل کرنے لگے اور حیا و پاکیزگی کا مذاق اڑایا۔

قرآنِ حکیم ان کے اس بدترین اخلاقی جرم کا نقشہ حضرت لوط علیہ السلام کی زبانی یوں پیش کرتا ہے:

﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝٨٠ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝٨١﴾ (الاعراف)

’’کیا تم ایسا فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا؟ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے آتے ہو‘ بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔‘‘

حضرت لوط علیہ السلام بستی کے چوک پر کھڑے ہو کر روزانہ انہیں پکارتے اور اس غیر فطری جنسی انارکی کے خلاف خبردار کرتے تھے‘ مگر وہ قہقہے لگاتے‘ پاکیزہ لوگوں کو بستی سے نکالنے کی دھمکیاں دیتے اور کہتے: ’’اگر تم سچے ہو تو لے آؤ ہم پر اپنے خدا کا عذاب!‘‘ اور پھر وہ آخری رات آن پہنچی۔ بستی ہمیشہ کی طرح ہم جنس پرستی کے نشے اور عیاشی میں دھت تھی کہ اچانک فضا

میں ایک ایسی ہول ناک چیخ گونجی جس نے انسانوں کے دلوں کو پھاڑ کر رکھ دیا۔ زمین زلزلے سے کانپنے لگی اور اگلے ہی لمحے کائنات کے مالک کا حکمِ قہار آ گیا۔ زمین کے اس پورے ٹکڑے کو جڑ سے اکھاڑا گیا‘ آسمان کی بلندیوں تک اٹھایا گیا اور پھر ایک ہول ناک جھٹکے کے ساتھ پوری بستی کو الٹ کر زمین پر پٹخ دیا گیا! قرآن گواہی دیتا ہے:

﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا جَعَلۡنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۬ۙ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۸۲﴾﴾ (ھود)

”پھر جب ہمارا حکم آ گیا‘ تو ہم نے ان بستیوں کے بلند حصے کو ان کا نچلا حصہ بنا دیا (انہیں الٹ دیا) اور ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسائے۔“

اس مہیب عذاب کے نتیجے میں زندگی کا ہر نشان مٹ کر راکھ ہو گیا اور وہاں صرف ایک خاموش‘ غلیظ اور بے جان پانی کا تالاب رہ گیا جسے آج دنیا ”بحرِ مُردار“ (Dead Sea) کے نام سے جانتی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ناراضگی کی وہ مادی نشانی ہے جس کے بارے میں سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے واضح حکم دیا تھا:

((لَا تَدْخُلُوا عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ...))

(صحیح البخاری: ۴۳۳)

”ان عذاب دیے گئے لوگوں کے مقامات پر مت داخل ہو مگر یہ کہ تم رو رہے ہو۔“

آپ ﷺ کا فرمان تھا کہ وہاں خوشیاں نہ مناؤ‘ بلکہ وہاں سے خوفِ خدا کے ساتھ روتے ہوئے اور جلدی سے گزر جاؤ۔

پرائڈ لینڈ ۲۰۲۶ء: عذاب کی مٹی پر ابلیسی سرکشی

آج اسی ملعون مٹی پر‘ ٹھیک اسی عذاب والی سرزمین پر‘ یکم تا چار جون ۲۰۲۶ء کو مشرقِ وسطیٰ کی تاریخ کا سب سے بڑا ہم جنس پرستی کا فیسٹیول سجایا گیا‘ جسے ”پرائڈ لینڈ“ (Pride Land) کا نام دیا گیا۔

وہ جگہ جہاں سے اللہ کے نبی ﷺ نے روتے ہوئے اور جلدی سے گزر جانے کا حکم دیا تھا‘ وہاں اس میلے کے لیے ہول ناک تیاریاں اور غیر معمولی انتظامات کیے گئے۔ بحیرہ مردار کے مشہور ساحلی علاقے ”عین بوکیک“ (Ein Bokek) کے ۱۵ بڑے اور عالی شان انٹرنیشنل

ہوٹلوں کو عام پبلک کے لیے مکمل طور پر بند کر کے اس چار روزہ ایونٹ کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ ان نجی ساحلوں پر چوبیس گھنٹے چلنے والے پارٹی زونز‘ مہیب stages اور دجالی لائٹنگ کا جال بچھایا گیا تاکہ اسی پانی کے کنارے گناہ کا بازار گرم کیا جا سکے جہاں قومِ لوط غرق ہوئی تھی۔

اس فیسٹیول کو کسی نجی کلب کے بجائے اسرائیل کی وزارتِ سیاحت اور وزارتِ خارجہ کی براہِ راست سرکاری فنڈنگ اور پشت پناہی حاصل رہی۔ دنیا بھر سے آنے والے ہم جنس پرستوں کو تل ابیب ایئرپورٹ سے براہِ راست یہاں لانے کے لیے ایک خصوصی ٹرانسپورٹ نیٹ ورک بنایا گیا۔ چونکہ یہ پورا علاقہ غزہ اور لبنان کی حالیہ جنگ کی وجہ سے غیر محفوظ ہے‘ اس لیے اسرائیلی دفاعی افواج (IDF) نے اس فیسٹیول کو اعلیٰ ترین فوجی سکیورٹی فراہم کی تاکہ بیرونی مہمانوں کو تحفظ کا احساس دلایا جا سکے۔

اس بین الاقوامی نیٹ ورک میں امریکہ‘ برطانیہ‘ جرمنی اور فرانس کے سیاح بڑی تعداد میں شامل ہیں‘ جنہیں لانے کے لیے Mister B&B اور Outstanding tavel جیسی عالمی کمپنیوں نے خصوصی پیکجز بیچے۔ اس پورے کھیل کا مرکزی چہرہ اسرائیلی پاپ کلچر کا مینیجر ہارون کوہن (Aaron Cohen) اور متنازع صہیونی آئیکن Dana International ہیں‘ جنہیں اس نظریے کو پھیلانے کے لیے برانڈ ایمبیسیڈر بنایا گیا۔

شیطنت اور تکبر کی انتہا دیکھیے کہ اس میلے کے منتظمین نے عرشِ بریں کو للکارتے ہوئے یہ نعرہ بلند کیا: ’’Pride rises at the lowest place on Earth‘‘ یعنی زمین کے پست ترین مقام سے فخر کا ابھار! یہ لفظ ’ابھار‘ یا ’اوپر اٹھنا‘ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کا کھلا مذاق اور توہین ہے جس نے اس گناہ گار قوم کو ذلیل کر کے زمین کے اندر دھنسا دیا تھا۔ جس جگہ کو اللہ نے سزا دے کر قیامت تک کے لیے عبرت کی نشانی بنایا‘ وہاں کھڑے ہو کر سر اٹھانے اور فخر کرنے کا دعویٰ درحقیقت کائنات کے مالک کو براہِ راست ایک کھلا چیلنج ہے! قومِ لوط کے عذاب والے دن سے آج تک‘ پوری انسانی تاریخ میں اللہ ربّ العزت کے خلاف اتنی باقاعدہ‘ بے خوف اور برہنہ بغاوت کی مثال نہیں ملتی۔

جیو پولیٹکل حقیقت: بلعم بن باعورا کا جدید مکر

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ بحرِ مُردار پر ہونے والا یہ میلا محض کچھ لوگوں کا ذاتی فعل ہے‘ تو آپ بہت

بڑی بھول میں ہیں۔ سیاسی اصطلاح میں اس چالاک پالیسی کو ''پنک واشنگ'' کہا جاتا ہے۔ یہ وہ جیوپولیٹکل ہتھیار ہے جس کے ذریعے غاصب اسرائیلی ریاست ایک طرف غزہ اور لبنان کے معصوم مسلمانوں پر بم برسا کر ان کا خون بہاتی ہے اور دوسری طرف دنیا کے سامنے خود کو ''روشن خیال'' اور ''انسانی حقوق کا محافظ'' دکھانے کے لیے یہ جشن سجا کر اپنے جنگی جرائم پر پردہ ڈالتی ہے۔

یہ بالکل وہی قدیم شیطانی طریقہ کار ہے جسے تاریخ ''بلعم بن باعورا کا مکر'' کہتی ہے۔ یاد کیجیے تاریخ کے اس عبرت ناک واقعے کو جب بنی اسرائیل کا لشکر اسی بحرِ مُردار کے قریبی خطے میں خیمہ زن تھا' تو اس وقت کے ایک گمراہ عالم بلعم بن باعورا نے' جس کا ایمان دنیاوی لالچ میں آ کر مٹی میں مل چکا تھا' دشمن بادشاہوں کو ایک ہولناک مشورہ دیا تھا۔ اس نے کہا تھا:

> ''ان پر کوئی تلوار یا جادو اثر نہیں کرے گا کیونکہ جب تک یہ اخلاقی طور پر پاکیزہ ہیں' خدا ان کے ساتھ ہے۔ اگر انہیں برباد کرنا ہے تو ان سے لڑو مت' بلکہ ان کا اخلاق تباہ کر دو! اپنے شہر کی سب سے خوب صورت عورتوں کو ان کے خیموں میں بھیج دو اور انہیں بے حیائی پھیلانے کی کھلی چھوٹ دے دو۔ اگر اس لشکر کے چند مَردوں نے بھی گناہ کا ارتکاب کر لیا' تو خدا کی مدد ان سے روٹھ جائے گی اور عذاب انہیں خود ہی مٹا دے گا۔''

پھر تاریخ نے دیکھا کہ جیسے ہی ان کے قدم حیا کی حدوں کو پار کر گئے' اللہ کا غضب ٹوٹا اور ایک ہی دن میں چوبیس ہزار نوجوان طاعون کی وبا سے لاشوں میں تبدیل ہو گئے۔ آج دجالی طاقتیں اسی پرانی بلعمی حکمتِ عملی کو جدید دور میں نافذ کر رہی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو صرف بموں سے فتح نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک ان کے خاندانی نظام میں حیا زندہ ہے' ان کا ایمانی قلعہ ناقابلِ تسخیر ہے۔ اس لیے اب حملہ زمینی سرحدوں پر نہیں' بلکہ ہماری حیا پر کیا جا رہا ہے۔

پاکستان میں +LGBTQ ایجنڈے کا نفاذ

عالمی ادارے جیسے آئی ایم ایف' ورلڈ بینک اور یورپی یونین امداد اور قرضوں کی آڑ میں ترقی پذیر مسلم ممالک پر شیطانی شرائط مسلط کرتے ہیں۔ +GSP اسٹیٹس اور معاہدہ ساموا (Samoa Agreement) کے ذریعے پاکستان پر دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ اگر معاشی بقا چاہیے تو ملک میں مغربی طرز کی آزادی' مرد اور عورت کے قدرتی نظام کی تباہی اور بین الاقوامی +LGBTQ ایجنڈے کو قانونی تحفظ دو۔

اسی معاشی بلیک میلنگ کا نتیجہ تھا کہ ۲۰۱۸ء میں خاموشی سے ’’ٹرانس جینڈر پروٹیکشن ایکٹ‘‘ پاس کروایا گیا‘ جس نے ’’خود ساختہ صنفی شناخت‘‘ کی آڑ میں ہم جنس پرستی کے لیے ایک قانونی چور دروازہ کھول دیا۔ اس قانون کے نفاذ کے بعد NADRA کے سرکاری ریکارڈ میں جو ہولناک حقائق سامنے آئے‘ وہ یہ ہیں:

مرد سے عورت: ۱۶,۵۳۰ سے زائد پیدائشی مَردوں نے خود کو سرکاری کاغذات میں عورت رجسٹر کروالیا۔

عورت سے مرد: تقریباً ۱۲,۱۵۰ پیدائشی خواتین نے اپنے کوائف تبدیل کروا کر خود کو مرد درج کروالیا۔

مجموعی طور پر تقریباً تیس ہزار افراد نے اس قانون کا سہارا لے کر اپنی صنف تبدیل کرنے کی درخواستیں دیں‘ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قانون پاکستان میں ہم جنس پرستی اور مغربی ایجنڈے کو پھیلانے کے لیے بنایا گیا تھا۔ غیر ملکی این جی اوز کی اربوں ڈالرز کی فنڈنگ کے بل بوتے پر لبرل لابی اور داخلی حلقے اب بھی پسِ پردہ سرگرم ہیں تاکہ کسی نہ کسی صورت اس نظریے کو یہاں تحفظ دلایا جاسکے اور پاکستان کے خاندانی نظام کو تباہ کیا جاسکے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ زہر اب قانون کی دیواروں کو پھلانگ کر انٹرنیٹ‘ سوشل میڈیا اور اسمارٹ فونز کے ذریعے سیدھا ہمارے بیڈ روم تک پہنچ چکا ہے۔ شیطان کا وہ بلعمی مکر آج ڈیجیٹل الگورتھم (Digital Algorithms) کا روپ دھار کر ہمارے بچوں کے ذہن پر وار کر رہا ہے۔ جب بچوں کے کارٹونز‘ نیٹ فلکس کی سیریز اور موبائل گیمز میں حیا کو مٹا کر ان غیر فطری افعال کو ’’محبت اور آزادی‘‘ کا نام دیا جاتا ہے‘ تو وہ ہماری نئی نسل کو ذہنی غلام بنانے کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام اور ہماری ذمہ داری

ہمیں یہ بات گہرائی میں جا کر سمجھنی ہوگی کہ ہماری اصل طاقت کیا ہے! اللہ تعالیٰ نے ہمیں ’’خیرِ اُمت‘‘ بنا کر زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ ہمارا کام مٹی کی شہوتوں میں غرق ہونا نہیں‘ بلکہ دنیا میں حیا اور عدل کا نظام قائم کرنا ہے۔ ہماری اصل طاقت ’’لا الٰہ اِلّا اللّٰہ‘‘ کی روح ہے‘ جس کا مطلب ہر دجالی نظام اور بے حیائی کے سیلاب کو ٹھکرانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمانِ گرامی یاد رکھیے جو ہمارے ایمان کی بنیاد ہے:

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ)) (صحیح مسلم: ۴۹)

’’تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے‘ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے‘ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا جانے)‘ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے‘‘۔

یہ معاملہ محض ایک کہانی یا وقتی بحث کا نہیں‘ بلکہ یہ ہمارے ایمان‘ ہماری حیا اور ہمارے خاندانی نظام پر ایک بہت بڑا حملہ ہے۔ ہم پر اب یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس فتنے کو اپنے دوستوں‘ رشتہ داروں اور خاندانی نشستوں میں زیر بحث لائیں تاکہ عام لوگ بھی اس پوشیدہ خطرے سے واقف ہو سکیں۔ اپنے بچوں کے پاس بیٹھیں اور انہیں میڈیا کے ذریعے پھیلائی جانے والی بے حیائی کے خطرات سے بچائیں۔ یاد رکھیے‘ اگر آج ہم نے غفلت کی وجہ سے خاموشی اختیار کی‘ تو ہماری اگلی نسلیں اخلاقی طور پر تباہ ہو جائیں گی اور ہمیں اس کا حساب اللہ کے ہاں دینا پڑے گا۔ فیصلے کا وقت آ چکا ہے: اپنے ایمان‘ اپنی نسلوں اور اپنے ملک کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے آگے بڑھیے۔

حوالہ جات

(۱) القرآن الحکیم۔ سورہ ہود (۱۱): آیت ۸۲

(۲) القرآن الحکیم۔ سورۃ الاعراف (۷): آیت ۱۷۵، ۱۷۶

(۳) صحیح البخاری‘ کتاب الانبیاء (مقاماتِ عذاب سے روتے ہوئے گزرنے کا بیان)

(۴) صحیح مسلم‘ کتاب الایمان (برائی کو ہاتھ‘ زبان اور دل سے روکنے کا بیان)

(۵) The Jerusalem Post. (2026). "Four Day Pride Festival to be held at Dead Sea, largest in history of Middle East."

(۶) Baptist News Global. (2026). "Israel promotes biggest LGBTQ+ festival ever in the Middle East, near site of Sodom: Mocking God."

(۷) Reddit / Geopolitical Analysis. (2026). "The Emergence of Pride Land 2026 and Pinkwashing Row amidst Gaza War."

فلسطین کی حالتِ زار

علیزہ مکنون

ایک جہاز نے آسمان پر اُڑان بھرتے ہوئے جب کچھ سفید و سیاہ تصاویر نشر کیں‘ تو وہ منظر رنگ برنگی دُنیا کے باقی حصوں سے بالکل مختلف نظر آیا۔ گویا وہ کسی قدیم تہذیب کے کھنڈرات یا باقیات ہوں جسے کسی ظالم قوم نے صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہو۔ اُس منظر میں ایسے ویران راستے اور خاموش گلیاں نظر آئیں جو کسی منزل تک نہیں پہنچ پا رہی تھیں۔ منہدم دیواریں انسانی خون کے قطروں سے رنگین تھیں۔ عمارتوں کے ملبے کا ایک ایسا ڈھیر جو کبھی کسی کے لیے یقیناً پُرسکون جائے پناہ ہوا کرتا تھا!

اِس سفید و سیاہ منظر کی حدود کے اندر قدم رکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ ایک بڑے رقبے پر موجود کسی قدیم تہذیب کی باقیات نہیں بلکہ (محض ۴۱ کلومیٹر لمبی اور ۶ سے ۱۲ کلومیٹر چوڑی) جدید دور کی غزہ پٹی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے ’’دُنیا کی سب سے بڑی جیل‘‘ کہا جا سکتا ہے‘ جس کی تمام اطراف سے ناکابندی کر دی گئی ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ غزہ کی داستان دُنیا سے اوجھل تھی اور پلک جھپکنے میں خاموشی سے اُس کا یہ حشر کر دیا گیا۔ یہ سب دُنیا کے سامنے اِس طرح عیاں تھا جیسے کسی سینما گھر میں بڑی سکرین پر کوئی فلم چل رہی ہو! یہ سب کچھ اُس وقت ہوا جب امن و سلامتی اور کسی بھی ملک کی علاقائی سالمیت اور خودمختاری کے ضامن ’’عالمی قوانین‘‘ موجود تھے‘ اور انہیں نافذ کرنے کی ذمہ دار تنظیم ’’اقوامِ متحدہ‘‘ بھی قائم تھی۔ دنیا کے ممالک ’’آزادی‘‘، ’’انسانی حقوق‘‘، ’’حقوقِ نسواں‘‘ اور اِس سے مِلتی جلتی سرخیوں کی نعرے بازی کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوششوں میں مصروف تھے!

غزہ کی موجودہ صورتِ حال کو دیکھ کر عقل تو یہی کہتی ہے کہ ایسے نام نہاد نعرے اور برائے

نام تنظیمیں محض آنکھ میں دھول جھونکنے کے لیے بنائی گئی تھیں۔ شاید یہی اِس ساری تباہی کے اصل ذمہ دار ہیں۔ وجہ چاہے جو بھی ہو‘ مگر نظر یہی آتا ہے کہ اِن بے منزل سڑکوں‘ عمارتوں کے ملبوں‘ بارود آلود آسمان اور منہدم دیواروں کے سائے میں اب بھی غالباً بیس لاکھ افراد کی سانسیں موجود ہیں جو بغیر کسی بنیادی ضرورت کے اِدھر سے اُدھر بیگانوں کی طرح اپنے ہاتھوں میں زندگی کا خالی کشکول لیے دوڑ رہے ہیں!

فلسطین کے باشندوں کا جرم

اسرائیل فلسطینیوں بالخصوص اہل غزہ کو مجرم دکھانے کے لیے یوں تو کئی حیلے بہانے تلاش کرتا ہے مگر درحقیقت ان کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ اپنے گھر بار سے دست بردار ہو کر اپنی سرزمین کے اختیارات صہیونیوں کے حوالے کیوں نہیں کرتے۔ اسرائیل چونکہ واضح طور پر یہ کہہ نہیں سکتا تو نہایت عقل مندی اور سلیقے سے ’’دفاع‘‘ کا لفظ استعمال کر کے معصوموں کا خون چوستا ہے۔

۷ اکتوبر ۲۰۲۳ء سے شروع ہونے والی ظلم کی یہ داستان اسی حربے کی ایک مثال ہے۔ دو سال سے زیادہ جاری اس بدترین نسل کشی میں اسرائیل تمام اخلاقی اور قانونی حدود پار کر چکا ہے۔ اب ہر سلیم الفطرت انسان دیکھ سکتا ہے کہ غزہ ایسی تمام تنظیموں کا اجتماعی قبرستان بن چکا ہے جن کا قیام بین الاقوامی قوانین پر عمل درآمد کو یقینی بنانا اور انسانی حقوق‘ تعلیم‘ آزادی‘ جمہوریت کا فروغ تھا۔ ۷ اکتوبر تو محض ایک بہانہ تھا‘ درحقیقت اِس کی شروعات تو فلسطین میں یہودیوں کے ایک ’’قومی گھر‘‘ بنانے کے نظریے سے ہوئی تھی۔ یہ نظریہ ایک تحریک سے شروع ہوا جسے ’’صہیونیت‘‘ کہا جاتا ہے۔ اِس کا بانی تھیوڈور ہرزل نامی ایک یہودی تھا جس نے ۱۸۹۶ء میں Der Judenstaat (The Jewish State) کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں تمام یہودیوں کو فلسطین واپس جا کر اپنی علیحدہ مملکت بنانے کی تجویز دی گئی۔

اِس سارے نظریے کو بین الاقوامی طور پر تب دیکھا گیا جب اِس کی ابتدائی حمایت برطانیہ نے کی۔ بعد میں برطانیہ کے وزیر خارجہ آرتھر بالفور نے ۱۹۱۷ء میں یہودی برادری سے معاہدہ کر کے ایک اعلامیہ جاری کیا جو Balfour Declaration کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ اعلامیہ سلسلہ وار اپنی منزلیں طے کرتا ہوا بالآخر ۱۹۴۸ء میں اختتام کو پہنچا۔ محض ۶۷ الفاظ پر مشتمل یہی وہ اعلامیہ تھا جس نے فلسطینیوں کی زندگی کا دھارا ہی بدل دیا اور مشرقِ وسطیٰ میں

ایک ایسے تنازع کو جنم دیا جو تاحال جاری ہے۔ یہ ایک ایسا غیر منصفانہ اعلامیہ تھا جس میں ایک قوم (برطانیہ) نے دوسری قوم (فلسطینیوں) کے ملک کا وعدہ تیسری قوم (یہودیوں) سے کیا۔

سیاسی سودے بازیاں اور ذاتی مفادات

اسرائیل کے قیام کے پس پردہ حقائق کو چند جملوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اِس میں واقعات کا ایک پورا سلسلہ شامل ہے جس کی ہر کڑی دوسری کڑی سے جڑی ہوئی ہے۔ فلسطین میں اسرائیل کے قیام کی راہیں نہایت چالاکی اور باریکی سے ہموار کی گئیں۔ جس کسی کے لیے جتنا ممکن ہوا‘ اس نے اپنا مفاد عزیز رکھا۔ برطانیہ نے بھی اسی نیت سے اِس نظریے کی حمایت کی۔ صاف لفظوں میں تو یہ سب سیاسی سودے بازیاں تھیں۔ کہیں برطانیہ کو صہیونیوں کی مدد درکار تھی اور کہیں صہیونیوں کو برطانیہ کی۔ اسرائیل کے قیام کا ایک حوالہ جنگ عظیم اوّل سے بھی متعلق ہے‘ جس کے دوران سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوا۔ اگرچہ یہ سلطنت زوال کی آخری حدیں چھو رہی تھی مگر پھر بھی وہ مسلمانوں کے لیے ایک ڈھال کی مانند تھی جس کو توڑے بغیر اغیار کے لیے فلسطین تک رسائی ممکن نہیں تھی۔ پس اپنوں کی غداری اور دشمنوں کی مکاری نے مل کر اس سلطنت کا تختہ اُلٹ دیا اور اُمت کو ایک ایسے زخم سے دوچار کیا جو آج تک مندمل نہیں ہو سکا۔

جنگ عظیم دوم کے واقعات کا بھی یہودیوں کو قومی گھر مہیا کرنے میں اہم کردار رہا ہے۔ اس کی نمایاں مثال جرمن نازی پارٹی کی طرف سے یہودیوں کا قتلِ عام ہے‘ جسے ’’ہولوکاسٹ‘‘ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تاہم اس سے یہودیوں کو ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دُنیا میں انہیں مظلومیت کا لیبل مل گیا۔ پھر اسی مظلومیت کی آڑ میں پہلے دُنیا کے مختلف ممالک سے فلسطین کی طرف نقل مکانی کا سلسلہ جاری ہوا اور بالآخر فلسطین میں اپنے پنجے مکمل طور پر گاڑ لیے گئے۔

فلسطین کے باشندوں پر ظلم

بظاہر ۱۹۴۸ء میں یہود کا مقصد اپنی تکمیل کو پہنچا‘ لیکن درحقیقت یہاں سے ان کے ظلم کی ایک نئی داستان شروع ہوئی۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۴۹ء کا دورانیہ وہ ہے جب یہودی اور عرب مسلح گروپوں کے درمیان لڑائی جاری رہی۔ ۱۹۴۹ء میں جنگ بندی تو ہوگئی‘ مگر اِس کا سارا فائدہ اسرائیل کے حق میں گیا‘ کیونکہ اس نے ۵۳۰ دیہات اور شہروں کو تباہ کر کے ۷۸ فیصد سے زیادہ فلسطینی زمین پر اپنا قبضہ جما لیا۔ نتیجتاً سات لاکھ پچاس ہزار سے زیادہ تعداد میں فلسطینی

بے گھر ہوئے جبکہ پندرہ ہزار سے زائد شہید ہو گئے۔ اِس سارے واقعے کو آج تک فلسطینی ’’النکبہ‘‘ (تباہی) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوا۔ ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ شروع ہوئی‘ جو چھ دن جاری رہی۔ اس میں مصر‘اردن‘ عراق اور شام شامل تھے۔ باقی عرب اسرائیلی جنگوں کی طرح اِس کا اختتام بھی اسرائیل کی فتح پر ہوا۔ اسرائیل نے مصری اور عرب افواج کو بدترین شکست سے دوچار کر کے مشرقی بیت المقدس اور غربِ اردن (دریائے اردن کا مغربی کنارہ) کے ساتھ شام کی گولان کی پہاڑیوں‘ غزہ اور مصری جزیرہ نما سینائی پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس جنگ نے سارے مشرقِ وسطیٰ کو بری طرح متاثر کیا مگر سب سے زیادہ نقصان فلسطینیوں ہی کو اُٹھانا پڑا کیونکہ اب وہ سرزمین اُن کے ہاتھوں سے مکمل طور پر نکل گئی جس کا کچھ حصہ پہلے ان کے قبضے میں تھا۔

دشمن کے ساتھ امن کے سمجھوتے

اب فلسطین کے باشندے اپنی مٹھی بھر زمین میں غیروں کی طرح رہنے لگے۔ کئی لوگ مہاجر بن کر قریبی ممالک میں جانے پر مجبور ہو گئے جبکہ کئی پناہ گزین خیموں میں چلے گئے۔ اسی طرح غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے میں بھی مہاجروں کی آبادی بڑھنے لگی۔ مغربی کنارے میں صہیونیوں نے باقاعدہ اپنی بستیاں تعمیر کرنا شروع کر دیں۔ ۱۹۶۷ء میں عربوں کو ہونے والی بدترین شکست کے بعد فلسطینیوں کو اب اُن سے بھی زیادہ توقع نہیں رہی۔

یہ فطری بات ہے کہ جب انسان مسلسل ظلم برداشت کرتا رہتا ہے تو بالآخر ردِّعمل کے طور پر کوئی قدم اٹھاتا ہے۔ اسی احساس کے تحت اب فلسطین کے اندر ہی آزادی کے حصول کے لیے مزاحمت کی مختلف تنظیمیں جنم لینے لگیں۔ ’’تنظیم آزادی فلسطین‘‘ (پی ایل او) اگرچہ ۱۹۶۴ء ہی میں تشکیل پا چکی تھی مگر اب وہ زیادہ متحرک ہونے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل اور اِس کے مابین کافی کشیدگی جاری رہی۔ آخر کار اِس تنظیم نے ہتھیار ڈال کر ’’دو ریاستی حل‘‘ اور ’’امن‘‘ کے مدّنظر اسرائیل سے معاہدہ یا دوسرے الفاظ میں سمجھوتا کر لیا۔ اسے ’’اوسلو معاہدوں‘‘ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اوسلو ناروے کا دارالحکومت ہے جہاں فلسطینی اور اسرائیلی قیادتوں کے مابین خفیہ مذاکرات طے پائے۔ اس سلسلے کا پہلا معاہدہ ۱۹۹۳ء میں واشنگٹن میں ہوا جبکہ دوسرا معاہدہ

۱۹۹۵ء میں مصر میں طے پایا۔ اس کا بنیادی مقصد غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے پر اسرائیل کے قبضے کو روکنا اور اگلے پانچ سالہ عرصے میں مغربی کنارے میں فلسطینیوں کی ایک عبوری حکومت قائم کرنا تھا۔

بدقسمتی سے عرب کی ایک مخصوص قیادت نے (سارے عرب اس میں شامل نہیں تھے) اسرائیل کو ایک جائز ملک تسلیم کر لیا اور فلسطینی اراضی کے ۷۷ فیصد حصے پر بھی اسرائیلی تسلّط جائز تسلیم کر لیا۔ یہ بھی طے پایا کہ تحریکِ انتفاضہ اب کالعدم ہو چکی ہے اور اسرائیل کے خلاف مسلح کارروائی اب غیر قانونی سمجھی جائے گی۔ یوں عرب قیادت فلسطینی عوام کے حق خود ارادیت کے مطالبے سے دست بردار ہو گئی۔ اس معاہدے کو پورے عالمِ اسلام خصوصاً عرب ممالک میں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اوسلو معاہدے میں فلسطین کے بنیادی ایشوز کو ڈسکس ہی نہیں کیا گیا تھا؛ مثلاً: القدس شہر کا مستقبل کیا ہو گا؟ فلسطینی مہاجرین کا مستقبل کیا ہو گا؟ مغربی پٹی اور غزہ کے علاقے میں غاصب صہیونی بستیوں کا کیا ہو گا؟ اس بھیانک معاہدے میں یہ بھی طے پایا کہ فلسطینی اتھارٹی اسرائیلی حکومت کی نگرانی میں کام کرے گی۔ فلسطینی اتھارٹی اپنی علیحدہ فوج نہیں رکھ سکتی۔ اسرائیل، فلسطینی اتھارٹی کے کسی بھی فیصلے کو ویٹو کر سکتا ہے۔ فلسطینی اتھارٹی اسرائیل کی اجازت کے بغیر اسلحے کی خرید و فروخت نہیں کر سکتی۔ اسرائیل کے خلاف مزاحمت کاروں کو گرفتار کر کے انہیں اسرائیلی حکومت کے سپرد کرنا بھی اوسلو معاہدے میں شامل تھا۔ اسی کے ساتھ اوسلو معاہدے میں یہ بھی ظلم کیا گیا کہ فلسطینی اتھارٹی کا سرحدات پر اختیار بالکل ختم کر دیا گیا اور فلسطینی اپنی سرزمین میں آنے اور جانے کے لیے اسرائیل کی اجازت کے پابند ہو گئے۔ ایک اور خطرناک چیز اس معاہدے میں یہ ہوئی کہ اب آزادانہ طور پر کوئی بھی عرب ملک اسرائیل کی حیثیت کو تسلیم کر سکتا تھا۔

دوسرا انتفاضہ

دوسرا انتفاضہ ۲۸ ستمبر ۲۰۰۰ء کو اس وقت شروع ہوا جب لیکود کے اپوزیشن لیڈر ایریل شیرون نے یروشلم کے پرانے شہر اور اس کے اردگرد ہزاروں سکیورٹی فورسز کی تعیناتی کے ساتھ مسجد اقصیٰ کے احاطے کا ایک اشتعال انگیز دورہ کیا۔ دو روز کے دوران فلسطینی مظاہرین اور اسرائیلی فوج کے درمیان جھڑپوں میں پانچ فلسطینی ہلاک اور ۲۰۰ زخمی ہو گئے۔ اس واقعے نے

بڑے پیمانے پر مسلح بغاوت کو جنم دیا۔ تحریک کے دوران اسرائیل نے فلسطینی معیشت اور انفراسٹرکچر کو بہت نقصان پہنچایا۔ اسرائیل نے فلسطینی اتھارٹی کے زیر انتظام علاقوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور علیحدگی کی دیوار کی تعمیر شروع کر دی جس نے بڑے پیمانے پر بستیوں کی تعمیر کے ساتھ فلسطینیوں کے معاش اور معاشروں کو تباہ کر دیا۔

بین الاقوامی قوانین کے تحت ایسی آبادکاری غیر قانونی ہے‘ لیکن گزشتہ برسوں کے دوران لاکھوں یہودی آبادکار چوری شدہ فلسطینی زمین پر بنائی گئی کالونیوں میں منتقل ہو چکے ہیں۔ فلسطینیوں کے لیے جگہ سکڑتی جا رہی ہے۔ جس وقت اوسلو معاہدوں پر دستخط ہوئے‘ صرف ۱۱۰,۰۰۰ یہودی آبادکار مشرقی یروشلم سمیت مغربی کنارے میں مقیم تھے۔ آج یہ تعداد ۷۰۰,۰۰۰ سے زیادہ ہے جو فلسطینیوں سے چھینی گئی ۳۹۰ مربع میل سے زیادہ اراضی پر قابض ہیں۔

غزہ کی آزادی اور ناکا بندی

پی ایل او کے رہنما یاسر عرفات کا ۲۰۰۴ء میں انتقال ہوا‘ جس کے ایک سال بعد دوسرا انتفاضہ ختم ہوا۔ غزہ کی پٹی میں اسرائیلی بستیوں کو ختم کر دیا گیا‘ جبکہ اسرائیلی فوجی اور ۹۰۰۰ آبادکار غزہ سے نکل گئے۔ ایک سال بعد‘ فلسطینیوں نے پہلی بار عام انتخابات میں ووٹ ڈالے۔ حماس نے اکثریت حاصل کر لی۔ تاہم فلسطینی اتھارٹی کی مرکزی جماعت الفتح اور حماس کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوئی‘ جو مہینوں تک جاری رہی۔ اس کے نتیجے میں سینکڑوں فلسطینی مارے گئے۔ حماس نے الفتح کو غزہ کی پٹی سے بے دخل کر دیا‘ اور الفتح نے مغربی کنارے کے کچھ حصوں پر دوبارہ کنٹرول حاصل کرنا شروع کر دیا۔ جون ۲۰۰۷ء میں اسرائیل نے حماس پر ’’دہشت گردی‘‘ کا الزام لگاتے ہوئے غزہ کی پٹی پر زمینی‘ فضائی اور بحری ناکا بندی کر دی۔

مصر سے متصل غزہ کی پٹی پر حملے

اسرائیل نے غزہ پر چار طویل فوجی حملے کیے ہیں: ۲۰۰۸ء، ۲۰۱۲ء، ۲۰۱۴ء اور ۲۰۲۱ء میں۔ ہزاروں فلسطینی مارے جا چکے ہیں‘ جن میں بہت سے بچے بھی شامل ہیں۔ دسیوں ہزار گھر‘ سکول اور دفتری عمارتیں تباہ ہو چکی ہیں۔ تعمیرِ نو تقریباً ناممکن ہے کیونکہ محاصرہ تعمیراتی سامان جیسے سٹیل اور سیمنٹ وغیرہ کو غزہ پہنچنے سے روکتا ہے۔ ۲۰۰۸ء کے حملے میں بین الاقوامی طور پر ممنوعہ فاسفورس گیس جیسے ہتھیاروں کا استعمال شامل تھا۔ ۲۰۱۴ء میں ۵۰ دن کے دوران

اسرائیل نے ۲۱۰۰ سے زیادہ فلسطینیوں کو قتل کیا جن میں ۱۴۶۲ شہری اور ۵۰۰ کے قریب بچے شامل تھے۔ ''آپریشن پروٹیکٹو ایج'' کے نام سے کیے جانے والے اس حملے کے دوران تقریباً ۱۱,۰۰۰ فلسطینی زخمی ہوئے‘ ۲۰,۰۰۰ گھر تباہ اور ۵ لاکھ افراد بے گھر ہوئے۔

دنیا کا واحد ملک اسرائیل ہے‘ جس نے اپنی سرحدوں کو اقوام متحدہ کی قراردادوں یا نقشوں کے مطابق تسلیم نہیں کیا‘ بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ اسرائیلی حدود کی تکمیل تب ہوگی جب اردن‘ شام‘ عراق‘ ایران‘ آدھا سعودی عرب اور ترکی و مصر کے کئی علاقے ریاست اسرائیل کے قبضے میں آئیں گے۔ فلسطین کی موجودہ صورت حال انتہائی تشویشناک اور بحرانی ہے۔ غزہ کی پٹی میں اسرائیلی بمباری اور زمینی کارروائیوں کے باعث تباہی اور انسانی بحران اپنے عروج پر ہے۔ جنگ کے نتیجے میں بے گھر ہونے والے لاکھوں فلسطینی خوراک‘ پینے کے صاف پانی‘ پناہ اور ادویات کی شدید قلت کا شکار ہیں۔

فلسطین کے تازہ ترین زمینی حالات اور عالمی سفارتی کوششوں کا جائزہ درج ذیل ہے:

غزہ میں انسانی بحران: خوراک اور امدادی سامان کی ترسیل میں شدید مشکلات کے سبب قحط جیسی صورت حال برقرار ہے۔ لاکھوں افراد نقل مکانی پر مجبور ہیں اور طبی امداد کا نظام مفلوج ہو چکا ہے۔

مغربی کنارہ: مغربی کنارے میں اسرائیلی فوج کی جانب سے مسلسل چھاپوں‘ گرفتاریوں اور یہودی بستیوں کی تعمیر کے اقدامات جاری ہیں۔

عالمی سطح پر کوششیں: اقوام متحدہ اور دیگر عالمی ادارے فوری جنگ بندی اور امدادی سامان کی فراہمی یقینی بنانے کے لیے کوشاں ہیں‘ تاہم اب تک دیرپا امن کے لیے کوئی حتمی معاہدہ طے نہیں پا سکا ہے۔ ❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں‘
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

ایسی نسل تیار کرنا ہوگی جو جدید علوم وفنون میں مہارت بھی رکھتی ہو اور قرآن وسُنّت کی فکری و اخلاقی بنیادوں پر بھی استوار ہو۔ تیسرے‘ ایک ہمہ گیر اخلاقی انقلاب کی ضرورت ہے۔ جھوٹ‘ خیانت‘ رشوت‘ فحاشی و بے حیائی‘ سود‘ ناانصافی‘ عصبیت اور فرقہ واریت جیسے امراض کسی بیرونی سازش کا نتیجہ نہیں بلکہ ہماری اپنی اخلاقی کمزوریوں کی پیداوار ہیں۔ چوتھے‘ وحدتِ اُمّت کو عملی ترجیح دینا ہوگی۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ علمی یا فقہی اختلافات ختم ہو جائیں گے‘ بلکہ یہ ہے کہ اختلاف کو دشمنی میں تبدیل نہ ہونے دیا جائے۔ جن امور پر اُمّت متفق ہے‘ اُن پر مشترکہ جِدّوجُہد کی جائے‘ اور جن معاملات میں اختلاف موجود ہے‘ وہاں علم‘ تحمل‘ عدل اور اخوت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ پانچویں‘ دعوت واقامتِ دین کی منظم جِدّوجُہد کو پوری اُمّت کی اجتماعی ذِمّہ داری سمجھا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی مکہ مکرمہ میں پہلے ایک ایسی جماعت تیار کی جس کا ایمان‘ کردار اور نظم مضبوط تھا‘ پھر اسی جماعت نے مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرے اور ریاست کی بنیاد رکھی۔

الغرض آج اُمّتِ مُسلمہ جس بحران سے گزر رہی ہے‘ وہ کسی ایک سال‘ ایک حکومت یا ایک جنگ کا نتیجہ نہیں بلکہ صدیوں پر محیط فکری‘ اخلاقی اور سیاسی انحراف کا حاصل ہے۔ اس لیے اس کا حل بھی کسی ایک سیاسی تبدیلی‘ معاشی منصوبے یا وقتی جذباتی لہر میں تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ جب بھی مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا مرکز بنایا‘ دنیا کی قیادت اُن کے حصے میں آئی؛ اور جب بھی اُنہوں نے اس مرکز سے انحراف کیا‘ ان کی قوت منتشر ہوتی چلی گئی۔ آج بھی عزت‘ وقار اور سربلندی کا راستہ وہی ہے جو ساڑھے چودہ سو سال پہلے مکہ کی گلیوں سے شروع ہو کر مدینہ کی ریاست تک پہنچا تھا۔ حالات بدل گئے ہیں‘ زمانہ بدل گیا ہے‘ ذرائع بدل گئے ہیں‘ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ اصول آج بھی نہیں بدلا کہ کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتی جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کرے۔ بقول مولانا ظفر علی خان: ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

❁❁❁

PHARMA

Your Health
Our Devotion

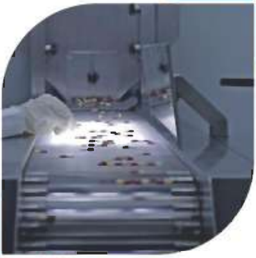

NABIQASIM INDUSTRIES (PVT.) LTD.

Leading Pharmaceutical Manufacturing & Marketing Company, offering wide range of high quality branded generics in all therapeutic categories for domestic and international markets. Specializes in manufacturing complete range of Oral Solid Dosage, Syrups, Freeze Dried Lyophilized Injectables, Laxative Enemas, Efferves cent Sachets, Dry Suspensions, Creams, Gels, Ointments, Vaginal Tablets including Hormonal Products, Oral Cephalosporin, Ophthalmic and Otic Drops, Creams and suspensions at its cGMP compliant manufacturing facility at Karachi, Pakistan. The company exports its branded generics to more than **40 countries in Asia, CIS, Middle East, Francophone Africa, Fareast, East & West Africa**

INNOVATION | TECHNOLOGY | COMPLIANCE

www.nabiqasim.com

Aug 2026
Vol. 75

Regd. CPL No.115
No.8

Monthly **Meesaq** Lahore